

المجاهدہ

(مجاہدے کی ضرورت و فوائد)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	اہمیتِ اعمال	۸
۳	مقصودِ دین بغیر عمل کے حاصل نہیں ہوگا	۹
۴	سہولتِ اعمال کے لئے ضرورتِ مجاہدہ	۱۰
۵	مجاہدے کا فائدہ	۱۱
۶	ایک سوال کا جواب	۱۲
۷	اعمالِ جنت پر مشقت ہیں	۱۲
۸	تصحیح عقائد سے اعمال کی تحریک	۱۳
۹	نفس کی چالاکی	۱۳
۱۰	”اللہ غفور رحیم ہے“ اس عقیدے کا فائدہ	۱۵

۱۶	مخالفین اسلام کے اعتراض کا جواب	۱۱
۱۷	ضرورتِ مجاہدہ	۱۲
۱۸	طلبِ دنیا اور طلبِ دین میں فرق	۱۳
۲۰	قرآن کا طرزِ تعلیم	۱۴
۲۰	بلا مشقت اصلاح کی تمنا	۱۵
۲۱	شیطان کی چال	۱۶
۲۲	ترکِ گناہ کے لئے ارتکابِ گناہ کی اجازت نہیں	۱۷
۲۳	مشقت اٹھانے کا فائدہ	۱۸
۲۳	ارتکابِ گناہ کا نقصان	۱۹
۲۴	طریقِ اصلاحِ باطن	۲۰
۲۵	ارتکابِ گناہ کے بعد ندامت	۲۱
۲۶	مراتبِ مجاہدہ	۲۲
۲۷	سالکین کا مغالطہ اور اس کا نقصان	۲۳
۲۸	اہمیتِ شیخ	۲۴
۲۹	ادائیگی نماز میں سستی کرنے میں مؤمن اور منافق کا فرق	۲۵

۲۶	اعمال شرعیہ میں مجاہدے کی ضرورت	۳۰
۲۷	تکبر کا علاج	۳۱
۲۸	حسد کا علاج	۳۲
۲۹	طریقہ اصلاح	۳۳
۳۰	نماز کا عادی بننے کی آسان ترکیب	۳۳
۳۱	ایک شبہ کا جواب	۳۴
۳۲	زیورات اور کپڑوں کی محبت کا علاج	۳۴
۳۳	عورتوں کی اصلاح کے لئے عظیم مجاہدہ	۳۵
۳۴	مجاہدے کی حقیقت	۳۶
۳۵	مجاہدے میں اعتدال ضروری ہے	۳۷
۳۶	اتباع مشائخ ضروری ہے	۳۸
۳۷	طالبانِ علم و عمل کی اقسام	۳۸
۳۸	مجاہدے میں غلو کمال نہیں	۳۹
۳۹	پسندیدہ مجاہدے	۳۹
۴۰	اقسامِ مجاہدہ	۴۰

۴۱	مخالفتِ نفس کی ضرورت اور فائدہ	۴۱
۴۲	عقیدے کا بیان	۴۲
۴۳	مجاہدے کا بیان	۴۳
۴۴	عقیدے اور عمل کے درمیان مجاہدے کے ذکر کرنے کی وجہ	۴۴
۴۵	شاگردوں کا احسان	۴۵
۴۶	جملہ ”اللہ بے نیاز ہے“ کا غلط استعمال	۴۶
۴۷	﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ﴾ کے صحیح معنی	۴۷
۴۷	ایمان اور عمل صالح مقصود اصلی ہیں	۴۸
۴۸	ترکِ رسوم میں مجاہدے کا فائدہ	۴۹
۴۸	رسومات کے ترک میں بہانہ بازی	۵۱
۵۰	اتحاد و اتفاق کی اصل	۵۲
۵۱	مدرسین اور طلباء کا ایک مرض	۵۳
۵۲	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی تواضع	۵۴
۵۳	اپنی غلطی کا اقرار کرنے کی وجہ	۵۵
۵۴	مجاہدے کی حقیقت و فائدہ	۵۶

وعظ

المجاهدہ

(مجاہدے کی ضرورت و فوائد)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ نے یہ وعظ ۲/ صفر ۱۳۳۲ھ کو بعد نماز عشاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ہندوستان میں کھڑے ہو کر ڈھائی گھنٹے تک ارشاد فرمایا۔ جس میں یہ بات بتائی کہ اعمال کی اصلاح کے لئے صرف عقائد کی اصلاح کافی نہیں بلکہ مجاہدے کی بھی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر عمل آسان نہیں ہوتا۔ یہ وعظ طلباء اور علماء کے لئے نہایت مفید ہے۔ علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس کو قلم بند فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی خواتین پردے میں اس کے علاوہ تھیں۔

خلیل احمد تھانوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل
له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له
ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه
وعلى آله واصحابه و بارك وسلم اما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم۔

﴿من كان يرجو لقاء الله فان اجل الله لات وهو السميع العليم ومن جاهد
فانما يجاهد لنفسه ان الله لغني عن العلمين والذين امنوا وعملوا الصلحت
لنكفرن عنهم سيئاتهم ولنجزينهم احسن الذي كانوا يعملون﴾ (۱)

تمہید

صاحبو! اس وقت ایک ضروری مسئلہ اصلاحِ عمل اور طرزِ عمل کے متعلق

بیان کرنے کا قصد ہے اور وہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے مشاہدہ ہی
کافی دلیل ہے کسی نص کی ضرورت نہیں کیونکہ نص کی ضرورت تو اثباتِ احکام یا
اخبار عن الغیب (۲) کے لئے ہوا کرتی ہے۔ اور جو امور مشاہدہ کے متعلق ہوں ان
کے لئے مشاہدہ کے سوا اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی تبرعاً (۳)

(۱) ”جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ تعالیٰ (سے ملنے کا) وہ معین وقت آنے والا ہے اور وہ سب کچھ
سنتا جانتا ہے۔ اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے محنت کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو جہان والوں میں
سے کسی کی حاجت نہیں اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے
اور ان کو ان کے اعمال (ایمان و اعمالِ صالحہ) کا (استحقاق سے) زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔“ سورہ عنکبوت: ۵ تا ۷
(۲) قرآن وحدیث کی ضرورت غیب کی خبروں ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے (۳) اتحساناً۔

دلیل بھی بیان کر دے تو اس سے مدعی اور مؤکد (۱) ہو جائے گا چنانچہ وہ مسئلہ جو اس وقت بیان ہوگا اسی قسم کا ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت و معلوم ہے مگر میں نے اس وقت حسب معمول آیات کی تلاوت تبرعاً کر دی ہے کیونکہ ان آیات کو اس مسئلہ سے ایک ظاہر علاقہ ہے۔

اہمیت اعمال

اب وہ مسئلہ سننا چاہئے اور اس کی ضرورت بھی اس کے سننے سے معلوم ہو جائے گی کیونکہ جی یہ چاہا کرتا ہے کہ جو کچھ بیان ہو کسی ضروری مسئلہ کے متعلق ہو ورنہ یوں تو بیان کرنے کو بہت سی باتیں ہیں مگر بلا ضرورت کے لوگوں کا وقت صرف کرنے کو جی نہیں چاہتا اب غور سے سنئے کہ ہم لوگوں سے اپنے عمل کے بارہ میں ایک غلطی ہو رہی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

باب عمل میں آج کل دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں جن کو صرف اعتقاد کی درستی کا خیال ہے وہ عمل کو مہتمم بالشان (۲) ہی نہیں سمجھتے اس لئے ان کو اصلاح عمل اور تکثیر اعمال (۳) کا اہتمام ہی نہیں۔ اگر یہ لوگ یوں کہتے کہ عقیدہ کا درجہ عمل سے زیادہ ہے تو ہم کو ان سے منازعت (۴) کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کا ہم کو بھی انکار نہیں واقعی یہ درست ہے کہ عمل کا درجہ عقیدہ سے مؤخر (۵) ہے مگر اس سے یہ کیونکر لازم آیا کہ عمل فضول و بیکار ہے۔ کیا جو چیز کسی سے مؤخر ہو وہ بیکار ہوا کرتی ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شاخوں کا مرتبہ جڑ سے مؤخر ہے مگر بائیں ہمہ (۶) کوئی بھی شاخوں کو بیکار نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ درخت بار آور (۷) نہیں ہو سکتا جس کی شاخیں نہ ہوں اگرچہ اس کی جڑ کسی ہی مضبوط ہو ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ خالی عقیدہ جس میں عمل نہ ہو بار آور نہ ہوگا

(۱) دعویٰ مرید مضبوط ہو جائیگا (۲) قابل التفات (۳) عمل کی درستی اور اس کی کثرت کی طرف توجہ ہی نہیں (۴) جھگڑنے کی (۵) عمل کا درجہ عقیدے کے بعد ہے (۶) اس سب کے باوجود (۷) اس درخت پر پھل نہیں لگتا جس پر شاخیں نہیں ہوں۔

مجرد عقائد (۱) سے بغیر عمل کے وہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جو مطلوب شارع (۲) ہے گو کبھی بعض کیفیات بغیر اعمال کے حاصل ہو جائیں مگر کیفیات خود مطلوب نہیں۔ مقصود دین بغیر عمل کے حاصل نہیں ہوگا

باقی جو ثمرہ شارع کے نزدیک مقصود ہے وہ بغیر اعمال کے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم کو اخبار شارع سے یہی معلوم ہوا ہے کہ بدون عقیدہ و عمل دونوں کی درستی کے ثمرہ مقصودہ کے حصول کا یقین نہیں ہو سکتا گو یہ ممکن ہے کہ بعض کو صرف اصل (۳) کی درستی سے بھی حاصل ہو جائے مگر بوجہ وعدہ نہ ہونے کے اس کا یقین نہیں۔ ان لوگوں نے قرآن کی صرف ایک آیت یاد کر لی ہے: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۴) جس سے یہ سمجھ لیا کہ محض علم کافی ہے یعنی اصلاح عقیدہ اور یہ نہ دیکھا کہ قرآن میں بہت جگہ یہ بات بھی مُصرَح (۵) ہے کہ عمل کرنے والے اور عمل نہ کرنے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (۶) ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ (۷) ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ﴾ (۸) بہر حال ثابت ہو گیا کہ عادتہ اللہ یہ ہے کہ دین سے جو خاص ثمرہ مطلوب ہے وہ بغیر عمل کے حاصل نہیں ہو سکتا، ایک غلطی تو یہ تھی۔

(۱) صرف عقیدہ کی درستگی سے (۲) جو اللہ کو مطلوب ہے (۳) عقیدہ (۴) ”کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں“ سورہ زمر: ۹ (۵) واضح طور پر بیان کی گئی ہے (۶) ”یہ لوگ جو برے برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کو اختیار کیا کہ ان سب کا جتنا اور مرنا یکساں ہو جاوے یہ بُرا حکم لگاتے ہیں“ سورہ جاثیہ: ۲۱ (۷) ”ہاں! تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کے ان کی برابر کر دیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے“ سورہ ص: ۲۸ (۸) ”تو جو شخص مؤمن ہو کیا وہ اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے علم ہو وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے“ سورہ سجدہ: ۱۸۔

سہولتِ اعمال کے لئے ضرورتِ مجاہدہ

دوسری غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ اعمال کی ضرورت تو سمجھتے ہیں مگر اعمال کے ساتھ کسی اور شے کی ضرورت نہیں سمجھتے، ظاہر میں ان کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے عقیدہ اور عمل دونوں کو ضروری سمجھا مگر اس میں بھی ایک نقص ہے وہ یہ کہ انہوں نے صحیح عقائد کے بعد اصلاحِ اعمال اور تکمیلِ اعمال و مواظبتِ اعمال (۱) کے لئے صرف ارادہ کو کافی سمجھا حالانکہ تجربہ اور مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصلاحِ اعمال کی سہولت کے لئے ایک اور شے کی بھی ضرورت ہے اگرچہ نفسِ اصلاح ممکن ہے یعنی وہ امرِ اصلاح کا موقوف علیہ عقلاً (۲) نہیں ہے اور نہ عادتاً اس معنی کر موقوف علیہ ہے کہ اس کے بغیر کسی طرح بھی عمل نہ ہو سکے لیکن اس معنی کر ضرور موقوف علیہ ہے کہ بدون اس کے عملِ سہولت نہیں ہو سکتا پس وہ سہولت میں موقوف علیہ ہے گو صدورِ عمل (۳) بغیر اس کے ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال ریل کی سی ہے کہ جیسے مسافت طویلہ بدون ریل کے سہولت طے نہیں ہو سکتی اگرچہ بدقت طے ہو سکتی ہے (۴) ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ اصلاحِ عقائد کے بعد گو صدورِ عمل بتکلف بدون اس خاص شے کے ہو سکتا ہے مگر سہولت نہیں ہو سکتا بلکہ سہولتِ اعمال کے لئے اس خاص شے کی ضرورت ہے مجھے اس وقت اسی کا بیان کرنا مقصود ہے اور یہی وہ مسئلہ ہے جس کے معلوم نہ ہونے سے بابِ عمل میں بہت لوگ غلطی کر رہے ہیں۔

حاصل اس شے کا یہ ہے کہ صدورِ اعمال بعد اصلاحِ عقائد کے گوارادہ سے ہو سکتا ہے لیکن اس ارادہ کے کچھ معاوقات و موانع مزاحم ہو جاتے ہیں (۵) جس

(۱) اعمال پر پیشگی کے لئے (۲) اگرچہ اصلاحِ اس عمل پر موقوف نہیں (۳) عمل کا ادا کرنا (۴) لمبا سفر بغیر ریل یا دیگر سواری کے آسانی سے طے نہیں ہو سکتا اگرچہ مشکل سے ہو سکتا ہے (۵) کچھ رکاوٹیں اور مشکلات پیش آ جاتی ہیں جس کی وجہ سے عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

سے صدور اعمال دشوار ہو جاتا ہے اور اس دشواری سے بعض اوقات عدم صدور اعمال کی نوبت (۱) آ جاتی ہے تو سہولت کے لئے اس شے کی ضرورت ہوئی۔ اس شے کے حصول کے بعد صدور اعمال بالکل سہل ہو جاتا ہے۔ اور میں اس کو تجربہ سے ثابت کرنا چاہتا ہوں ابھی آیت سے استدلال نہیں کرتا کیونکہ آیت میں دوسرے معانی بھی محتمل (۲) ہیں اس لئے اول میں تجربہ سے اس کا ثبوت دیتا ہوں پھر بعد میں تبرعاً آیات سے تائید کر دوں گا۔

مجاہدے کا فائدہ

سنئے اس شے کا نام ہے مجاہدہ نفس اور مخالفت نفس یہ بات بہت قابل قدر ہے اس کو معمولی نہ سمجھئے۔ اب تجربہ سے اس کی ضرورت کو معلوم کیجئے کہ یہ تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور نماز پڑھنے کو بہت لوگوں کا جی بھی چاہتا ہے ترکِ صلوٰۃ (۳) سے ان کا دل بھی برا ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت لوگ نماز نہیں پڑھتے باوجودیکہ سب کو عقیدہ فرضیت صلوٰۃ (۴) کا حاصل ہے۔

اسی طرح بعض ارادہ کر کے پڑھتے بھی ہیں مگر وہ ارادہ بعض عوائق سے مضحک ہو کر موثر نہیں (۵) رہتا اور اس وجہ سے نماز پر دوام نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدور و دوام اعمال کیلئے صرف اصلاح عقائد یا ارادہ ضعیفہ کافی نہیں (۶) ہے بلکہ کسی اور شے کی ضرورت ہے جس کے بعد صدور و دوام و رسوخ اعمال ضروری ہے اور وہ تکمیل اعمال کا موقوف علیہ ہے اور وہ شے مجاہدہ نفس اور مخالفت نفس ہے چنانچہ بے نمازی اسی واسطے بے نمازی ہے کہ وہ اپنے نفس کا اتباع کرتا ہے اور اس کو آرام دیتا ہے۔ اگر وہ مجاہدہ نفس کرتا تو بے نمازی نہ ہوتا۔

(۱) اعمال کر نہیں سکتا (۲) دوسرے معنی کا بھی احتمال (۳) نماز کے چھوڑ دینے یا چھوٹ جانے سے (۴) نماز کے فرض ہونے کا ایمان (۵) بعض رکاوٹوں سے کمزور ہو کر اثر انداز نہیں ہوتا (۶) اعمال پر پختگی کے لئے صرف عقیدہ کی درستی اور کمزور ارادہ کافی نہیں۔

ایک سوال کا جواب

یہاں شاید کوئی یہ سوال کرے کہ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ کونسا مجاہدہ کرتے ہیں ان کے نفس کو کونسی مشقت ہے بلکہ الٹا ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ان کو نماز فوت ہونے سے رنج ہوتا ہے تو فوت میں مشقت ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو مشقت تو ہے مگر شوق کی وجہ سے وہ مشقت باقی نہیں رہی اور شوق ہی کی وجہ سے ان کو اس میں لذت آنے لگی جس کا اعلیٰ مرتبہ وہ ہے جو حدیث میں وارد ہے ((جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ)) اور یہ درجہ تو کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے کہ نماز سے لذت اور راحت حاصل ہو تو کم و بیش مشقت رہتی ہی ہے مگر جس کو یہ درجہ حاصل ہے اس کو بھی اول مشقت و مجاہدہ کرنا پڑا ہے پھر مجاہدہ کرتے کرتے یہ حال ہو گیا کہ مشقت مغلوب اور شوق و لذت غالب ہو گئی یہ تو خواص کی حالت ہے اور عام طور پر تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ نمازی آدمی بھی بعض دفعہ نماز میں کسل (۱) کرنے لگتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی توفیق سے وہ کسل دور ہو جاتا ہے اور یہ توفیق عادتاً ان کے مجاہدہ پر مرتب ہوتی ہے کیونکہ ان کا ارادہ نفس کی مخالفت ہی کا ہوتا ہے نفس کی موافقت میں ترکِ صلوٰۃ (۲) کا ارادہ وہ نہیں کرتے ارادہ کے بعد ذرا وہ ہمت سے کام لیتے ہیں کہ توفیق حق شامل حال ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے حدیث میں ((إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ)) (۳) کا ثواب زیادہ وارد ہے۔

اعمالِ جنت پر مشقت ہیں

اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے ((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

(۱) نماز میں سستی کرنے لگتا ہے (۲) نماز چھوڑنے کا (۳) جس وقت سردی کی وجہ سے وضو کرنا ناپسندیدہ ہو اس وقت خوب مبالغہ اور اہتمام سے وضو کرنے کا زیادہ ثواب ہے۔

وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمِكَارِهِ) کہ ”جہنم شہوتوں سے محبوب (۱) ہے اور بہشت مشقتوں سے گھری ہوئی ہے“ یعنی جیسے باغوں کے گرد کانٹوں کی باڑھ ہوتی ہے ایسے ہی جنت کے گرد مکارہ (۲) ہیں جس سے مراد اعمالِ شاقہ (۳) ہیں تو جو شخص جنت کے اعمال کر رہا ہے یعنی وہ اعمال جو موجب دخول جنت ہیں یقیناً وہ مکارہ کو پھاند کر آیا ہے اگر وہ مکارہ کو پھاند کر نہیں آیا تو جان لے کہ یہ راستہ جنت کا نہیں ہے بس بات یہ ہے کہ مکارہ کو پھاند کر تو آیا ہے مگر اس کے شوق اور غلبہ حال سے وہ مکارہ لذیذ ہو گئے جیسے کوئی عاشق محبوب سے ملنے کو دس پانچ کوس طے کر کے آیا ہو تو مشقت تو اس نے ضرور کی گوشت کی وجہ سے اس کو اس میں لذت ہی آئی ہو۔ اگر ایسے نہ ہوتے تو یہ اہل جنت نہ ہوتے کیونکہ اہل جنت کی تو شان یہ ہے کہ وہ جنت میں جا کر یوں کہیں گے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾ ۱۱ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿۱۲﴾ (۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان کے ساتھ غم لازم تھا گو جسمانی ہی تھا بہر حال وہ شبہ بالکل رفع ہو گیا کہ نمازی کونسا مجاہدہ کرتے ہیں حاصل جواب کا یہ ہے کہ شوق کی وجہ سے مشقت نہاں (۵) ہو جاتی ہے اور یہ بھی خاص خاص لوگوں میں ہے ورنہ غالب طبائع میں تو شوق و محبت کم ہے ان میں تو مشقت موجود ہے اور ہمارے پاس اس جواب کے علاوہ ایک کافی جواب یہ بھی ہے کہ الشاذ کالمعدوم (۶)

(۱) ڈھکی ہوئی ہے (۲) ناپسندیدہ چیزیں (۳) مشکل اعمال (۴) ”اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا“ بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا قدر دان ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رکھنے کے مقام پر لا اٹا جہاں نہ ہم کو کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی سختی پہنچے گی“ سورہ فاطر: ۳۳-۳۵ (۵) چھپ جاتی ہے (۶) جو بات بہت کم ہو ایسی ہے کہ گویا وہ ہے ہی نہیں۔

اگر کوئی نمازی ایسا بھی ہو جس کو اصلاً مشقت نہ ہوئی ہو اور نہ ہوتی ہو مادر زاد ولی (۱) ہو تو یہ شاذ ہے اس سے گفتگو نہیں۔ غرض غالب حالت یہی ہے کہ نماز روزہ وغیرہ میں مشقت ہوتی ہے اور اس مشقت میں بعض اوقات مانعیت (۲) کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور اس مشقت کی مانعیت کا علاج مجاہدہ ہے۔

تصحیح عقائد سے اعمال کی تحریک

پس ترتیب صحیح یہ ہے کہ اول تو عقیدہ صحیح کرے اور عقائد و علوم صحیحہ حاصل کرے کہ اس سے اعمال کی تحریک ہوتی ہے (۳) مثلاً یہ عقیدہ حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ خالق و رازق ہیں اس سے خدا تعالیٰ کے احسانات اپنے اوپر معلوم ہونگے اور ذکر و فکر احسانات سے محبت و اطاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ اور یہ تحریک باعث عمل ہے (۴)۔

نفس کی چالاکی

مگر اس باعث کے ساتھ بعض اشیاء مانع (۵) بھی ہوتی ہیں اور وہ موانع غالباً دو ہیں ایک اسباب تنعم دوسرے ضعف نفس۔ یعنی باوجود عقیدہ صحیح ہونے کے اور تحریک طاعت پیدا ہونے کے بھی بعض دفعہ نفس ضعف و کم ہمتی کی وجہ سے یا اسباب تنعم (۶) اور سامان راحت میں منہمک ہونے کے سبب سے نماز روزہ وغیرہ سے سستی کرتا ہے اور بعض دفعہ نفس اپنی تسویل (۷) سے ان موانع کے ساتھ عقیدہ صحیح سے بھی مانعیت کا کام لیتا ہے اور یہ نہایت حیرت کا مقام ہے یعنی عقائد

(۱) پیدائشی ولی (۲) رکاوٹ آ جاتی ہے کہ نماز پڑھنے یا اعمال صالحہ کرنے کو دل ہی نہیں کرتا (۳) عمل کرنے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے (۴) یہ تقاضا عمل کا سبب بنتا ہے (۵) رکاوٹ (۶) راحت کے سامان ہونے کی وجہ سے (۷) نفس اپنی چالاکی اور چٹنی چڑی باتوں سے ان رکاوٹوں کے ساتھ صحیح عقیدہ سے بھی رکاوٹ کا کام لیتا ہے۔

وعلوم صحیحہ سے تو طاعات و اعمال صالحہ کی تحریک ہوتی ہے مگر نفس کبھی ایسی شرارت کرتا ہے کہ عقیدہ صحیحہ سے ترک اعمال میں کام لیتا ہے مثلاً کسی وقت گناہ کا تقاضا ہوا اور اس کے ساتھ ہی دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا کہ گناہ سے جہنم میں جائے گا اس وقت نفس عقائد صحیحہ میں سے ایک عقیدہ سامنے کر کے پہلے عقیدہ پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں اور اس عقیدہ کی اس طرح تقریر کرتا ہے کہ واقعی گناہ کر کے جہنم میں جانے کا اندیشہ ہے مگر یہ جب ہے کہ گناہ سے توبہ نہ کی جائے اور اگر توبہ کر لی جائے تو سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور میں عزم کرتا ہوں کہ فوراً توبہ کر لوں گا اور ایک دفعہ کے بعد پھر یہ گناہ نہ کروں گا، تو دیکھئے نفس کیسا شریر ہے کہ عقیدہ صحیحہ سے معصیت (۱) میں مدد لے لیتا ہے۔

”اللہ غفور رحیم ہے“ اس عقیدے کا فائدہ

حالانکہ اس عقیدہ کی تعلیم کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص سے پہلے گناہ ہو چکے ہوں اور اب وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہے تو اس کی تسلی کے لئے یہ عقیدہ بتلایا گیا ہے تاکہ گنہگاروں کی ہمت شکستہ (۲) نہ ہو اور وہ مایوس ہو کر خدا سے بے تعلقی ہی کو اپنے لئے تجویز نہ کر لیں دوسرے یہ کہ بجز انبیاء علیہم السلام کے (۳) اتقیا و صلحاء بھی معصوم نہیں بعض دفعہ ان سے بھی جہالت کی وجہ سے خطا سرزد ہو جاتی ہے اب اگر یہ عقیدہ نہ بتلایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے تو وہ ہرگز اپنے تقویٰ و صلاح ماضی کی طرف عود (۴) نہ کر سکتے بلکہ یہ سمجھ لیتے کہ اب تو ہم گنہگار ہو ہی چکے ہیں جہنم میں جائیں ہی گے پھر نفس کی لذات میں بھی کیوں کمی کی خطا

(۱) صحیح عقیدہ سے بُرائی میں مدد لیتا ہے (۲) ہمت نہ ٹوٹے (۳) سوائے انبیاء کے (۴) اپنے پہلے جیسے تقویٰ و نیکی کی طرف لوٹ نہیں سکتے تھے۔

اور لغزش کے بعد اتقیا و صلحاء کو تقویٰ و صلاح کی طرف واپس لانے والا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس سے ان کو توبہ و استغفار کی ہمت ہوتی ہے اور چند روز تک بار بار توبہ و استغفار کرنے سے ان کی تسلی ہو جاتی ہے کہ ان شاء اللہ وہ گناہ معاف ہو گیا، خوب سمجھ لو۔

مخالفین اسلام کے اعتراض کا جواب

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مخالفین اسلام نے جو اس تعلیم پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تعلیم جرائم پر جری کرنی والی ہے یہ ان کی غلطی ہے جس کا منشا قلت تدبیر (۱) ہے اگر وہ غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ تعلیم نہ ہوتی تو ایک دفعہ جس سے گناہ ہو جاتا وہ عمر بھر جرائم ہی میں گرفتار رہتا ایک دفعہ یا چند دفعہ خطا ہو جانے کے بعد نیکی اور تقویٰ و صلاح کی طرف واپس لانے والا یہی عقیدہ ہے جس پر وہ اعتراض کر رہے ہیں۔ پس یہ عقیدہ تو مخلوق کے دلوں میں خدا کی محبت بڑھانے والا ہے جس سے مخلوق کو اپنے خالق سے تعلق پیدا کرنے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور جرائم کو کم کرنے والا ہے اور استیصال جرائم (۲) کے لئے اس کے ساتھ دوسرا عقیدہ یہ ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (۳) کہ یقیناً خدا کا عذاب بہت سخت ہے اسی لئے قرآن میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا ذکر ہے وہاں ساتھ ہی سطوت و شدت انتقام (۴) کا بھی ذکر ہے جس کا ایک نمونہ یہ ارشاد ہے ﴿نَبِئْتُ عَبْدِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾ (۵) اسی

(۱) سمجھ کی کمی ہے (۲) جرائم کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے (۳) ”بے شک اللہ تعالیٰ سخت پکڑ کرنے والے ہیں“ سورہ مائدہ: ۲ (۴) اللہ کے دبدبے اور سخت انتقام کا بھی ذکر ہے (۵) ”آپ میرے بندوں کو اطلاع دیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا ہوں اور یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے“ سورہ حجر: ۴۹-۵۰۔

طرح کثیر مواقع میں (مخالفین کی فہم پر ہم کو تعجب ہے کہ وہ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں کہ جس سے ان کا دل خود راضی نہیں وہ انصاف کے ساتھ اپنے دل کو ٹٹولیں اور دیکھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے یقیناً وہ یہی کہے گا کہ میں ایسا پروردگار چاہتا ہوں جو رحیم و کریم ہو کہ اپنے جان نثاروں کی تقصیر و خطا سے درگزر کرتا (۱) ہو باغیوں اور دشمنوں کو سخت سزا دیتا ہو۔ یقیناً نظام عالم کا قیام ایسے ہی بادشاہ سے ہو سکتا ہے جو نہ محض سخت ہو کہ دوست بھی اس سے مطمئن نہ ہوں نہ محض نرم ہو کہ دشمن بھی بے فکر ہو جائیں جب یہ عقلی قاعدہ اور مُسَلَّم مسئلہ ہے تو اسلام اسی کے موافق تعلیم کرتا ہے تو اعتراض کیوں کیا جاتا ہے (۱۲ ط)۔

ضرورتِ مجاہدہ

غرض نفس کی شہوت وغیرہ بعض دفعہ عقائدِ صحیحہ سے مخالف کام لینے لگتی ہے اس لئے ایسی چیز کی بھی ضرورت ہے جو اس مانع کا مقابلہ کرے اور وہ مجاہدہ ہے کیونکہ ان سب موانع کا حاصل یہ ہے کہ نفس لذت و آرام چاہتا ہے والعلاج بالضد (۲) پس اس کا علاج یہی ہے کہ نفس کو مشقت و تعب کا عادی بنایا جائے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ اب لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو محض اصلاح عقائد کو اصلاحِ عمل کے لئے کافی سمجھتے ہیں انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ عقیدہ کے مزاحم بعض موانع ہوتے ہیں اس لئے ایسی چیز کی بھی ضرورت ہے جس سے یہ موانع دور ہوں ورنہ وہ حالت ہوگی۔

جاننا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

(۱) قصور اور غلطیوں کو معاف کرتا ہو (۲) سردی کا علاج گرمی اور گرمی کا سردی سے علاج کرنا علاج بالضد کہلاتا ہے۔

تو دیکھئے ایسی ضروری چیز اور لوگ اس سے بالکل غافل ہیں۔

طلب دنیا اور طلب دین میں فرق

جو لوگ اعمال میں کوشاں بھی ہیں وہ بھی یوں چاہتے ہیں کہ بدون مشقت کے کام ہو جائے یعنی جن کو دین کا شوق بھی ہے وہ بھی مشقت سے گھبراتے ہیں تو یہ لوگ حقیقت میں طالب نہیں بلکہ ہوسناک ہیں^(۱) کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ طالب دنیا کو تحصیل دنیا میں جس قدر مشقت ہوتی ہے اتنی مشقت و پریشانی دین میں نہیں ہوتی دوڑ دھوپ اور جسمانی تکالیف تو الگ رہیں طالب دنیا کو قلبی تشویش اور پریشانی بھی بہت ہوتی ہے اور طالب دین کو جسمانی مشقت بھی طالب دنیا کی برابر گر نہیں ہوتی باقی قلبی تشویش و پریشانی تو اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی یہ اور بات ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے آخرت و جہنم کی اس کو دہشت ہوتی ہے مگر پریشانی نہیں ہوتی۔ پس طالب دنیا اور طالب دین کے اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اب دونوں کی طلب کو دیکھو تو دنیا والے باوجود اس قدر دوڑ دھوپ اور پریشانی کے یوں کہتے ہیں۔

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید یا تن رسد بجنان یا جان زن بر آید^(۲)

جب وہ دنیا کے کام میں اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں تو خدا کے کام میں اگر کسی کو خدا کی محبت ہے یہ درخواست کیوں ہے کہ سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے مثلاً بعض لوگ نظر بد کے گناہ میں مبتلا ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو اور مت دیکھو کیوں کہ دیکھنا اختیاری امر ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نظر کے روکنے پر قادر نہیں مگر واللہ

(۱) صرف خواہش رکھنے والے ہیں (۲) میں اپنی طلب سے دستبردار نہیں ہوں گا یہاں تک کہ میرا کام بن جائے یا تو میری محبوب سے ملاقات ہو جائے یا میرے جسم سے میری جان نکل جائے۔

یہ جواب بالکل غلط ہے یہ شخص قادر ضرور ہے مگر وہ مشقت سے گھبراتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ بدون مشقت کے قادر ہو جاؤں اس کے نزدیک قدرت کے معنی یہی ہیں کہ بدون مشقت کے آسانی سے کام ہو جائے سو اس معنی کو واقعی قادر نہیں مگر ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یوں چاہے کہ بدون منہ میں لقمہ دیے کھانا کھالوں اور جب اس طرح پیٹ نہ بھرے تو کہنے لگے کہ کھانا بہت مشکل ہے ہاتھ ہلاؤ روٹی تک لے جاؤ اس کو توڑو پھر لقمہ بناؤ منہ میں دو پھر چباؤ پھر نگلو۔ اگر اسی کا نام دشواری ہے کہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو واقعی نظر بد سے بچنا دشوار ہے اور تم اس کے روکنے پر قادر نہیں مگر اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ قدرت علی العمل کے معنی (۱) یہ ہیں کہ اس میں اصلاً مشقت نہ ہو (۲) اور عجز عن العمل کے معنی (۳) یہ ہیں کہ اس میں کسی قدر مشقت ہو جب یہ معنی مسلم نہیں تو وہ لوگ جو اپنے کو غص بصر سے عاجز (۴) کہتے ہیں غور کریں کہ وہ ایسی حماقت میں مبتلا ہیں انہوں نے قدرت و عجز کی حقیقت ہی غلط سمجھ رکھی ہے ورنہ یہ لفظ کبھی زبان پر نہ لاتے کہ ہم غص بصر پر قادر نہیں۔

غرض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے نظر بد کو روک لیں سو قرآن میں اس کا ذمہ کہاں ہے وہاں تو مطلق حکم ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ (۵) ”مسلمانوں کو حکم دیدہ بجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں“ یعنی خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو مشقت ہو یا نہ ہو کچھ پروا نہیں ان کو ہر حال میں غص بصر کرنا چاہیے بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ باوجود مشقت کے غص بصر کرنا چاہیے۔ اور اس مشقت کو برداشت کرنا چاہیے۔

(۱) عمل کرنے پر قادر ہونے کا یہ مطلب (۲) بالکل ہی تکلیف نہ ہو (۳) عمل کرنے پر قادر نہ ہونے کا یہ مطلب (۴) نگاہ نیچے رکھنے سے مجبور کہتے ہیں (۵) سورہ نور: ۳۰۔

قرآن کا طرزِ تعلیم

یہ بات اہل علم کے سمجھنے کی ہے کہ قرآن کی تعلیم کا اکثر طرز یہ ہے کہ ممنوعات میں انہی چیزوں سے صراحۃً منع کیا گیا ہے جن کا تقاضا طبیعتِ انسانیہ میں ہوتا ہے اور جن کا تقاضا طبیعت میں نہیں بلکہ طبیعتِ انسانیہ کو اس سے خود نفرت ہے اس سے صراحۃً منع نہیں کیا گیا چنانچہ اکل ربوا (۱) سے شراب پینے سے منع کیا گیا ہے مگر پیشاب پاخانہ کھانے سے منع نہیں کیا گیا کیونکہ اُس کا تقاضا تھا اس کا تقاضا تھا ایک مقدمہ تو یہ ہوا اب دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملاؤ کہ جس چیز کا تقاضا طبیعت میں ہو اس سے رکنا مشقت و دشواری کا سبب ہے یہ مقدمہ عقلی اور بدیہی ہے۔

اب سمجھئے کہ جب قرآن میں نظر بد سے منع کیا ہے تو معلوم ہوا کہ طبائع میں اس کا تقاضا ہے اور جس کا تقاضا طبیعت میں ہو اس سے روکنا سبب مشقت ہے تو آیت کا تو خود مطلب ہی یہ ہوا کہ باوجود مشقت کے اس گناہ سے بچو۔

بلا مشقت اصلاح کی تمنا

مگر آج کل کے دیندار یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے سب کچھ ہو جائے اسی کی میں شکایت کر رہا تھا کہ یہ کیسی طلبِ دین ہے جس میں راحت کی طلب ہے حالانکہ طالبِ دنیا ذرا سی مردارِ دنیا کے لئے جان و دل سے مرتے کھتے رہتے ہیں اور طالبِ دین کو بغیر مشقت کے حصولِ دین و اصلاحِ اعمال کا انتظار ہو رہا ہے افسوس۔

بہنیں تفاوتِ راہ از کجا ست تا کجا (۲)

(۱) سو دکھانے (۲) اس فرق کو دیکھو کہ دین کے حصول میں مشقت برداشت نہیں کرتا اور دنیا میں مشقت اٹھاتا ہے۔

صاحبو! اگر آپ اسی انتظار میں رہیں گے کہ بدون مشقت کے اعمال کی اصلاح ہو تو یہ شہوات نفسانیہ^(۱) دل میں اپنی جڑیں ایسی مضبوط کر لیں گی کہ پھر واقعی اس کی اصلاح میں سخت مشقت کی ضرورت ہوگی کیونکہ ان شہوات سے جس قدر مسامت و مساہلت^(۲) کی جاتی ہے اسی قدر ان کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ کسی بزرگ کی توجہ سے ہماری اصلاح ہو جائے یا وظیفہ سے یا تعویذ سے نفس مہذب^(۳) ہو جائے حاصل یہ کہ خود کچھ کرنا نہ پڑے۔

شیطان کی چال

یاد رکھو یہ سخت غلطی ہے نفس تمہارا راہ مار رہا ہے^(۴) اور یہ شیطان کی بڑی رہ زنی ہے^(۵) نفس کی اصلاح بدون مجاہدہ^(۶) کے نہیں ہو سکتی توجہ اور وظیفہ سے اصلاح شدہ نفس کی نورانیت میں ترقی ہو جاتی ہے آگے کو راہ مفتوح^(۷) ہو جاتا ہے رزائل^(۸) کی اصلاح تھوڑا ہی ہوتی ہے اِلَّا نَادِرًا وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ^(۹) اور اس سے بڑھ کر ایک نہایت دقیق اور نہایت عمیق شیطان کی رہ زنی یہ ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ مشقت سے ترک معصیت میں کام لیتا خود معصیت کو ترک معصیت کا ذریعہ^(۱۰) بتاتا ہے یعنی جب کسی متقی کو بار بار نگاہ نیچی کرنے سے مشقت ہوتی ہے تو شیطان اس کو یہ سبق پڑھاتا ہے کہ میاں ایک دفعہ اس کو خوب جی بھر کے دیکھ لو اس سے ہوس پوری ہو جائیگی پھر نہ دیکھنا تو یہ روز روز کا آرہ چلنا تو موقوف ہو جائے گا مگر واللہ اس جی بھر کے گناہ کرنے سے تو اس کی رگیں اور مضبوط

(۱) نفسانی خواہشات (۲) اس میں جس قدر چشم پوشی اور سستی کی جائے گی (۳) نفس درست ہو جائے (۴) نفس تمہارا نقصان کر رہا ہے (۵) یہ شیطان کی سب سے بڑی چوری ہے (۶) بغیر مجاہدہ کے نفس کی اصلاح نہیں ہوتی (۷) آگے کو راستہ کھل جاتا ہے (۸) بڑی عادتوں کی (۹) مگر کسی کسی کی ہو بھی جاتی ہے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں (۱۰) شیطان کی سب سے بڑی ڈاکہ زنی یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ مشقت کو ارتکاب گناہ کا ذریعہ بناتا خود گناہ کو گناہ کے ترک کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔

ہو جائیں گی۔ پھر اس کا اس گناہ سے نکلنا بہت دشوار ہو جاویگا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ شہوت کو نظر سے ترقی ہوتی ہے پھر جب جی بھر کے دیکھنے سے بھی آگ نہیں بجھتی تو شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ ایک دفعہ جی بھر کے اس سے منہ کالا کرلو پھر توبہ کر لینا۔ اس کے بعد پھر ہر روز یہی ہوتا رہتا ہے کہ آج توبہ کروں کل توبہ کروں ابھی جی نہیں بھرا اگر اب توبہ کرونگا تو پھر تقاضا ہوگا چنانچہ بعض تو اسی انتظار میں ختم ہو گئے اور توبہ نصیب نہ ہوئی اور بعض کو سالہا سال کے بعد عنایت حق نے سنبھالا تو توبہ کی توفیق ہوئی مگر ذخیرہ گناہوں کا کتنا جمع ہو گیا یہ تو عملی خرابی ہوئی۔

ترکِ گناہ کے لئے ارتکابِ گناہ کی اجازت نہیں

اور اعتقادی خرابی یہ ہے کہ یہ شخص ترکِ معصیت کا مقدمہ خیال کر کے معصیت کو طاعت سمجھنے لگتا ہے پس یاد رکھو کہ ترکِ معصیت کے لئے بھی معصیت کا اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ ابتدا ہی سے اس معصیت کے تقاضے کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

درختے کہ انکوں گرفت ست پائے بہ نیروئے شخصے بر آید ز جائے
وگر ہچناں روزگارے ہلی بگردوش از بیخ برکسلی
سرچشمہ باید گرفتن بہ میل جو پرشد نہ شاید گذشتن بہ پیل^(۱)
اور جو شخص ترکِ معصیت کے لئے اختیارِ معصیت کو ذریعہ بناتا ہے اس سے بھی یہی غلطی ہوئی کہ اس نے مشقت سے بچنا چاہا مگر

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست^(۲)

(۱) وہ درخت جس نے ابھی جڑ نہیں پکڑی ایک شخص کی قوت سے جڑ سے اکھاڑا جاسکتا ہے اور اگر ایک عرصہ اسی طرح اس کو چھوڑ دو گے تو پھر کھڑے کے ذریعے بھی جڑ سے اکھاڑنا اس کو ممکن نہ ہوگا شہد آب کو ابتداء میں ایک سلائی کے ذریعہ بند کیا جاسکتا ہے، مگر جب وہ بڑھ جائے گا تو ہاتھی کا گذرنا مشکل ہو جائے گا (۲) اے محبوب تو میری بات کو نہیں سمجھ سکا غلطی اسی میں ہے۔

خوب سمجھ لو کہ مشقت سے بچنا ہی غلطی ہے مرد ہو کر رہونا مرد نہ بنو اور مرد اسی کا نام ہے جو شیطان کا مقابلہ کرے۔

مشقت اٹھانے کا فائدہ

پھر گناہوں سے بچنے میں مشقت اول اول ہی ہوتی ہے پھر ذرا مشقت نہیں ہوتی جو اس سے بھی گھبراتے ہیں ان کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ گلستان (۱) پڑھنے سے گھبرائے اس کو سب عقلاً بھی جواب دیتے ہیں کہ یہ مشقت چند روزہ ہے پھر تم کو گلستان میں وہ لطف آئیگا کہ تم اس کو خود نہ چھوڑو گے اور اگر آج ذرا سی مشقت سے گھبراؤ گے تو پھر جاہل رہو گے اور اس سے زیادہ مشقت کرنا پڑے گی یعنی پھاؤڑا چلانا پڑے گا (۲)۔

ارتکاب گناہ کا نقصان

اسی طرح گناہ کے چھوڑنے میں جو ذرا سی مشقت ہے اگر اس سے گھبراؤ گے تو اس سے بڑھ کر مشقت کا سامنا ہوگا ایک تو اس وقت جب کہ گناہ کا ارتکاب کرو گے کیونکہ گناہ کرنے میں علاوہ عذاب آخرت کے دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے گناہ سے دونوں جہاں میں تکلیف ہوتی ہے۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ گناہ کرنے میں کیا مشقت ہے تو صاحبو! واللہ جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں سکون قلب و اطمینان کا انکو خواب بھی نہیں آتا ہر وقت ان کا دل وحشت (۳) زدہ رہتا ہے اور گناہ کر کے اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کہیں ٹھکانا نہیں وہ خود اپنی نظر میں بہت ذلیل ہو جاتا ہے اور جب اس کو کوئی مصیبت

(۱) شیخ سعدی کی ایک کتاب ہے (۲) بیلچہ چلانا پڑیگا یعنی مزدوری وغیرہ کرنی پڑیگی (۳) دل پریشان

پیش آ جاتی ہے۔ اس وقت تو اس کو ایسی پریشانی ہوتی ہے کہ بدحواس ہو جاتا ہے۔
 تو واللہ گناہ کرنے والے بڑی غلطی میں ہیں کہ گناہ سے جو غرض تھی یعنی
 مسرت وہ بھی ان کو حاصل نہیں ہوتی یہ تو دنیا کی تکلیف ہے اور آخرت کا عذاب
 اس کے علاوہ ہے جو بہت سخت ہے مگر بعض لوگ سیر بھر بوجھ اٹھانے کا تجربہ کر کے
 کئی من بوجھ اٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں یہ ان کی حماقت ہے ان کی یہ پہلوانی اسی
 وقت تک ہے جب تک کئی من کا بوجھ سر پر رکھا نہیں گیا جس دن بڑا بوجھ سر پر رکھا
 جائیگا ان کا کوچ (۱) نکل جائیگا ایسے ہی بعض لوگ جہنم کے پہلوان معلوم ہوتے
 ہیں مگر اس کو دیکھا نہیں اس لئے ساری پہلوانی ہے اور جس دن دیکھ لیں گے اس
 دن یہ حالت ہوگی: ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ
 الرَّسُولِ سَبِيلًا ۚ يَوْمَئِذٍ لَّيْتَنِي لَمْ اتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۚ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ
 الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا﴾ (۲)

طریق اصلاح باطن

بس امراض باطنہ کے بھی علاج کا وہی طریقہ ہے جو امراض جسمانیہ کا ہے
 کہ جب مرض لاحق ہو اسی وقت اس سے دور بننے اور بچنے کی تدبیر کرو اس کو لپٹانے کا
 بھی نام نہ لو اور گو گناہ سے بچنے میں کسی قدر مشقت ہوتی ہے مگر وہ تھوڑی دیر کی مشقت
 ہے پھر راحت ہی راحت ہوگی مثلاً کسی کو حسن پرستی کا مرض ہو تو اس کو چاہیے کہ حسین
 سے باتیں کرنا ملنا ملنا اس کو گھورنا بالکل چھوڑ دے کہ یہ سخت مضر ہے گو اس وقت ٹھنڈک
 پہنچتی ہے مگر اس کے بعد جڑ مضبوط ہو جاتی ہے اور عمر بھر کی مصیبت جان کو لگ جاتی ہے۔

(۱) ان کا کچھ مری نکل جائے گا (۲) ”اور جس روز عالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھاوے گا کہے گا کیا اچھا ہوتا
 میں رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا ہاے میری شامت کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اُس نے مجھ کو
 نصیحت آئے پیچھے اُس سے بہکا دیا اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے“ سورہ فرقان ۲۷-۲۹

ارتکابِ گناہ کے بعد ندامت

چونکہ اس وقت مجھے زیادہ تر فروغ^(۱) ہی کا بیان مد نظر ہے اس لئے چند فروغ مجاہدہ^(۲) کی اور بھی بیان کرتا ہوں مثلاً غضب کے روکنے میں بعض وقت تکلیف ہوتی ہے اور یہ مجاہدہ ہے مگر اس کے بعد ایک خاص فرحت و راحت ہوتی ہے اور اگر غصہ کو نہ روکا گیا بلکہ جو زبان پہ آیا کہتا گیا تو اس وقت تو نفس خوش ہوتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد دل میں کدورت^(۳) ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہی نفس جو پہلے بہکا رہا تھا بعد میں ملامت^(۴) کرتا ہے اور اس کے بعد غصہ کے نتائج بد دیکھ کر تو بہت ہی قلق^(۵) ہوتا ہے گو نفس ان کی تاویلات بھی کرے مگر پھر بھی اس کو کدورت^(۶) ضرور ہوتی ہے تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ غصہ روکنا ہمیشہ اچھا ہوا اور جب اس کو جاری کیا گیا تو اس کا انجام ہمیشہ بُرا ہوا اور دل کو قلق بھی ہمیشہ ہوا جیسے مریض کو طبیب کہتا ہے کہ پرہیز کرو دوا پیو تو اس کو بد پرہیزی سے ہمیشہ ندامت^(۷) ہوتی ہے کیونکہ بد پرہیزی کا بُرا انجام بہت دنوں تک رہتا ہے اسی طرح گناہ کر کے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ گناہ کے بعد نفس خود اپنے کو ملامت نہ کرے پھر بعضے اس ندامت کے بعد ہمیشہ کے لئے گناہ سے توبہ کر لیتے ہیں اور بعضے ایک بار توبہ کر کے پھر گناہ کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں تو یہ تو دل لگی ہوئی اگرچہ یہ ثابت ہے کہ توبہ اگر سو بار بھی ٹوٹ جائے تب بھی قبول ہو جاتی ہے مگر یہ شرط تو ضروری ہے کہ توبہ کی حقیقت تو پائی جائے مگر اکثر حالت تو یہ ہے کہ جو لوگ ایک گناہ سے بار بار توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ صرف زبانی ہوتی ہے

(۱) جزئیات کا بیان ہی پیش نظر ہے (۲) مجاہدے کی چند شاخیں (۳) دل میں پریشانی ہوتی ہے (۴) شرمندہ کرتا ہے (۵) رنج ہوتا ہے (۶) دل ضرور میلا ہوتا ہے (۷) شرمندگی۔

ورنہ عین توبہ کے وقت بھی ان کا یہ عزم ہوتا ہے کہ یہ گناہ پھر بھی کریں گے۔ میں اسی کو دل لگی کہہ رہا ہوں۔

مراتب مجاہدہ

اس لئے جب کوئی شخص اعمال صالحہ کا قصد کرے یا اصلاح نفس کا ارادہ کرے تو وہ اپنے کو اس کام کے لئے پہلے تیار کر لے کہ اول اول مشقت برداشت کرنا اور نفس کی مخالفت کرنا پڑے گی پھر مجاہدہ و مخالفت نفس کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ مبتدی (۱) کے مجاہدہ کا ہے ایک منتہی (۲) کے مجاہدہ کا ہے۔ مبتدی کو تو مجاہدہ میں اول اول دشواری زیادہ ہوتی ہے اور منتہی چونکہ اپنے نفس کو مہذب کر چکا ہے اس سے اعمال صالحہ بلا تکلف صادر ہونے لگتے ہیں مگر ایک مجاہدہ کی ان کو بھی ضرورت ہے یعنی نفس کی نگہداشت کی کہ ہر وقت اس کے افعال و حرکات پر نگاہ رکھے غافل نہ ہو اور یہ مجاہدہ کچھ زیادہ دشوار نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو وہ سوار ہے جس کے نیچے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی سواری شروع کی گئی ہے اس کو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے کیونکہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ (۳) ہو چکا ہے اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں مگر ہوشیار بیٹھنے کی اس کو بھی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی کبھی بمقتضائے حیوانیت (۴) شوخی کرنے لگتا ہے مگر وہ شوخی ایسی ہوتی ہے کہ سوار کی ذرا سی دھمکی اس کے دفع (۵) کرنے کو کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا تو کسی وقت یہ

(۱) جس نے ابھی طریق سلوک میں قدم رکھا ہی ہے (۲) جو سلوک کی آخری منزلیں طے کر رہا ہے (۳) سواری کے لئے سدھایا جا چکا ہے (۴) جانور ہونے کی وجہ سے شرارت کرتا ہے (۵) دور کرنے کے لئے۔

شائستہ گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا پس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔

ساکین کا مغالطہ اور اس کا نقصان

اب یہاں سے میں ساکین کی ایک غلطی پر متوجہ^(۱) کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ بعض دفعہ مہذب نفس بھی شوخی شرارت کرنے لگتا ہے سو بعض لوگ یہ حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نفس میں کوئی بُرا میلان^(۲) دیکھ کر بڑے گھبراتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ جم گیا ہے کہ مجاہدہ سے اخلاقِ رذیلہ^(۳) بالکل زائل ہو جاتے ہیں اور منشا اس خیال کا یہ ہے کہ اکثر وسط طریق میں وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ تقاضائے معاصی^(۴) گویا بالکل نہیں رہا حالانکہ اخلاقی طبعیہ مجاہدہ سے زائل نہیں ہوتے بلکہ مغلوب و مضحل ہو جاتے ہیں^(۵) اور اکثر سلوک کے وسط میں غلبہ حالات و کیفیات کی وجہ سے بہت زیادہ مغلوب و مضحل ہو جاتے ہیں اس طرح کہ زائل معلوم ہونے لگتے ہیں پھر انتہا میں جب غلبہ حالات کم ہو جاتا ہے اور تمکین حاصل ہوتی ہے تو اخلاق طبعیہ پھر ابھرتے ہیں اس وقت سالک گھبراتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ افسوس ہنوز روز اول ہی^(۶) ہے میرا تو سارا مجاہدہ ہی بیکار گیا نفس تو اسی حالت میں ہے جس حالت میں پہلے تھا اور یہ رنج اس لئے مضر ہے کہ اس کے اس رنج و غم سے شیطان کو راہ ملتا ہے کہ وہ اس کو قتل کی طرف لے جاتا^(۷) ہے اور اس حالت میں اس شخص میں شکستگی بھی بیحد

(۱) غلطی پر متوجہ کرتا ہوں (۲) برائی کی طرف دل کے مائل ہونے سے گھبراتے ہیں (۳) بُرے اخلاق (۴) گناہوں کا تقاضا بالکل ختم ہو گیا (۵) طبعی خصلتیں بالکل ختم نہیں ہوتیں مجاہدے سے کمزور ہو جاتی ہیں (۶) افسوس اب تک میرا حال پہلے دن ہی کا سا ہے کوئی تبدیلی نہیں آئی (۷) شیطان کو موقع ملتا ہے کہ اس کو عمل سے ہٹا کر بیکار بنا دیتا ہے۔

ہو جاتی ہے کہ بات بات میں کہتا ہے کہ میں کسی قابل نہیں ہوں اور ظاہر میں تو یہ تواضع ہے مگر اس میں رنگ شکایت کا ہے گویا خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو بھلا کر یہ سمجھتا ہے کہ جب میرے اندر گناہ کا تقاضا موجود ہے تو اب میرے پاس کوئی نعمت نہیں حالانکہ یہ سخت ناشکری ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ شخص اپنی تمام ریاضات گذشتہ (۱) کو یاد کر کے اپنے دل میں یوں کہتا ہے کہ میں بڑا بد قسمت ہوں کہ اتنی محنت کے بعد بھی مجھے ناکامی ہی رہی بس اب میرے واسطے کیا رہا کچھ نہیں۔ اور بعض اوقات یہ شخص اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر نفس کو بالکل آزادی دیدیتا ہے کہ جب مجاہدات کے بعد یہی ناکامی ہی ہے تو نفس کو مصیبت میں کیوں ڈالو؟ یہ شخص اس غلطی میں اس لئے مبتلا ہوا کہ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں مجاہدہ کر کے تقاضائے گناہ سے بھی معصوم ہو گیا اور اب میرے اندر سے اخلاقی رذیلہ بالکل نکل گئے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کشاکش ہمیشہ رہتی ہے (۲) ہاں مبتدی (۳) جیسی نہیں رہتی اس لئے میں کہتا ہوں کہ اعمال صالحہ کا جب قصد کرے تو اول ہی نفس کو یہ سمجھالے کہ ان اعمال میں مشقت ہمیشہ رہے گی اور عمر بھر مجاہدہ کرنا ہوگا۔

اہمیتِ شیخ

اور یہاں سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ شیخ کتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ کیسے کیسے عقبات (۴) سے سالک کو نکالتا ہے اور اس کا عقبات سے نکالنا یہی ہے کہ وہ حقائق صحیحہ پر مطلع کرتا اور غلط اعتقادات سے بچاتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

(۱) سابقہ مجاہدوں کو یاد کر کے کہتا ہے (۲) نفس کے ساتھ کھیچا تانی ہمیشہ رہتی ہے (۳) البتہ ابتداء کی دور کی سی مشقت نہیں ہوتی (۴) وہ دشوار گزار راستے جن سے ایک سالک کو گزرن پڑتا ہے۔

گر ہوائے اس سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بر آ
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق (۱)
اور فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا ماچو مرغان حریص بے نوا
بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق (۲)
خدا کے خاص بندوں کی کسی پر عنایت ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔
بہر حال خوب سمجھ لو کہ اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی
خواہش کے خلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر اس لئے
مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔

ادائیگی نماز میں سستی کرنے میں مومن اور منافق کا فرق

اور یہاں سے بعض واعظین کی غلطی معلوم ہوگئی کہ وہ یہ آیت یعنی:
﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى﴾ (۳) کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ
دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے بات یہ ہے ان
لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں
ہیں ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو یہ وہ کسل
نہیں ہے جو منافقین کی شان تھی یہ تو کسل طبعی ہے اور طبعی کسل اعمال شرعیہ میں مخلصین
کو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اعمال نفس پر گراں ہیں نفس ان میں بعض دفعہ کسل (۴) کرنے
(۱) اگر سلوک و طریقت کا سفر طے کرنے کا ارادہ ہے تو کسی شیخ کا دامن پکڑ لے اور اس کا اتباع اختیار کر لے
بغیر رفیق و رہبر کے جو بھی راہ عشق میں اترا اس کی عمر گزر گئی لیکن عشق حقیقی کی حقیقت کو ناپاکا (۲) اے خدا
ہزاروں قسم کے جال اور کئی طرح کے دانے ہم جیسے لالچی اور کمزور پرندوں کے لئے بکھرے ہوئے ہیں۔ پس اللہ
تعالیٰ اور اس کے خاص بندوں کی عنایات کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہوگا تو اس کا نامہ اعمال بھی سیہ ہو جائے گا (۳) اور
جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں“ سورہ نساء ۱۴۲ (۴) سستی۔

لگتا ہے اور اعمال شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہونا آیت: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (۱) کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں یہ اور بات ہے کہ منازعت نفس (۲) کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شرعیہ میں نفس کی خواہشوں کو پامال کیا جاتا اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں (۳) ہے تو اس منازعت و کشمکش کی وجہ سے دشواری آجانا یسرفی نفسہ کے خلاف نہیں (۴) اسی لئے قرآن میں ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ سے پہلے ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ (۵) بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے پس ایک جزوی ہی کو مت دیکھو دونوں جزوں کو ملاؤ تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے۔

اب سنئے ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشا منازعت نفس ہے (۶) یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں اور ایک اعتقادی کسل (۷) ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا و رسول پر ہی ایمان نہیں ہے محض کسی مصلحت کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نہ پڑھے گا بلکہ بیگاری ٹالے گا (۸) اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا یہ کسل منافقین کی شان ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی ایسی شان ہو۔

اعمال شرعیہ میں مجاہدے کی ضرورت

بہر حال اعمال شرعیہ میں مجاہدہ کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل (۱) ”اور تم پر دین میں کسی قسم کی سستی نہیں کی“ سورہ حج: ۷۸ (۲) نفس کی مخالفت کی وجہ سے اس کو عمل کرنے میں مشکل پیش آئے (۳) یہ بات نفس پر بھاری ہے (۴) حقیقتاً آسان ہونے کے خلاف نہیں ہے (۵) ”اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے“ سورہ حج: ۷۸ (۶) طبعی سستی جس کی وجہ نفس کی مخالفت ہے (۷) اعتقادی سستی (۸) بلکہ بوجھ سمجھ کر پڑھے گا اور جان چھڑانے کی فکر کرے گا اور سستی سے نماز پڑھے گا۔

بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ منتہی کو کم اس کسل ہی کے رفع کے لئے مجاہدے کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس معاصی^(۱) کا تقاضا کرتا ہے اس کے مقابلے کے لئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔ تو ایک غلطی تو مبتدی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں بلکہ اسی انتظار میں ہے کہ سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتدا میں مجاہدہ کر کے آئندہ کے لئے مجاہدہ سے اپنے کو مستغنی^(۲) سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ طبائع بشریہ پھر عود^(۳) کرتے ہیں اور اس وقت منتہی کو بھی معاصی کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اس وقت اس کو بھی مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدہ میں بڑا فرق ہے جس کی مثال اوپر گزر چکی ہے کہ جیسے ایک شخص تو شائستہ گھوڑے پر سوار ہو اور ایک ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس پر آج ہی سواری کی گئی ہے۔ شائستہ گھوڑے کے سوار کو بھی ہوشیار بیٹھنے کی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی شوخی شرارت کرنے لگتا ہے مگر اس کے دبانے میں اس قدر مشقت نہیں ہوتی جس قدر نئے گھوڑے کے دبانے میں ہوتی ہے اس لئے منتہی کا اپنے گزشتہ مجاہدہ و ریاضت کو بیکار و بے سود سمجھنا بھی غلط ہے اور آئندہ کے لئے بھی وہ مجاہدہ سے مستغنی^(۴) نہیں اور اعمال صالحہ کا کرنا کسی وقت بھی مشقت سے خالی نہیں ہے۔

تکبر کا علاج

چنانچہ فروع میں اس کی ایک اور مثال یاد آئی مثلاً کسی شخص کے اندر کبر ہے تو اس کے دو علاج ہیں ایک علمی اور ایک عملی، عملی علاج تو مثلاً یہ ہے کہ اپنے عیوب^(۱) گناہوں کا تقاضا بھی کرتا ہے^(۲) بے پرواہ^(۳) انسانی طبیعت کے تقاضے دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں^(۴) مجاہدے سے بے نیاز نہیں۔

کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسروں کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص یقینی معیوب ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر^(۱) ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کم تر سمجھنا چاہیے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم^(۲) ہے بدون اس کے عملی علاج تنہا کافی نہیں مگر اس کا بجالانا دشوار ضرور ہے۔ ہر شخص سے آسان نہیں مگر تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک یہ عملی علاج نہ کیا جائیگا تکبر دور نہ ہوگا۔

حسد کا علاج

ایسے ہی حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے ترقی خیر کی خوب دعا کیا کرے اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے چند دن میں حسد دور ہو جائیگا مگر یہ بات آسان نہیں گوئی نفسہ یہ سب اعمال آسان ہیں مگر نفس کی منازعت^(۳) کی وجہ سے دشوار ہو رہے ہیں۔ مگر ان میں دشواری اول اول ہی ہے کیونکہ نفس کی کشاکشی ابتدا میں زیادہ ہوتی ہے پھر زیادہ منازعت نہیں رہتی مگر ایک دو مرتبہ عملی علاج کر کے بے فکر نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کو مدت دراز تک جس کو شیخ محقق تجویز کرے کرنا چاہیے کیونکہ ایک دو دفعہ سے مرض کی جڑ نہیں جاتی اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ۔

صوفی نشود صافی تادر نکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے^(۴)

(۱) جس کا عیب یقینی ہو وہ اس سے بدتر ہے جس کے عیب کا صرف گمان ہی ہو یا عیب چونکہ یقینی معلوم ہے اس لئے خود کو سب سے کم سمجھے ہیں (۲) اس نسخہ علاج کا اہم جزو ہے اس کے بغیر علاج کافی نہیں (۳) مخالفت نفس کی وجہ سے مشکل ہیں (۴) صوفی کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ محبت کے بہت سے جام نہ پی لے اس راہ میں بہت سی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے جب جا کر کمال پیدا ہوتا ہے۔

طریقہ اصلاح

غرض یہ طریقہ ہے اعمال کی اصلاح کا اور باطن کی اصلاح کا کہ نفس کے جذبات کی مخالفت کی جائے اور اس کو مشقت کا عادی بنایا جائے مگر آج کل لوگوں سے مشقت تو ہوتی نہیں۔ یوں چاہتے ہیں کہ ہمارے آرام میں بھی خلل نہ آوے اور اعمال کی بھی اصلاح ہو جائے باطن کی بھی اصلاح ہو جائے۔

نماز کا عادی بننے کی آسان ترکیب

چنانچہ ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے ایسا وظیفہ بتا دو جس سے نماز قضا نہ ہو میں نے کہا کہ اگر وظیفہ قضا ہونے لگا تو اس کے واسطے دوسرا وظیفہ پڑھو گے پھر اس کے واسطے تیسرا یہ تو سلسلہ غیر متناہی چلے گا اس کا علاج تو یہ ہے کہ جس دن نماز قضا ہو اس دن بھوکے رہو یا ۴/۸ (۱) صدقہ کرو اور یہ صدقہ نہ تو اتنا زیادہ ہو جس کا تحمل نہ ہو نہ اتنا کم ہو جس کی نفس کو خبر بھی نہ ہو بلکہ درمیانے درجہ کا ہو جس سے نفس پر کسی قدر گرانی ہو اور اس سے کہ دو کہ جب تو نماز قضا کرے گا میں تجھ کو یہی سزا دوں گا۔ اور یہ علاج میں نے یا صوفیاء نے اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا بلکہ نصوص سنت میں اس کی اصل موجود ہے حدیث میں ہے ((مَنْ قَالَ تَعَالٰ اُقَامِرُكَ فَلْيَتَصَدَّقْ)) یعنی ”جس کی زبان سے یہ کلمہ نکل جائے کہ آؤ جو اکھیلیں وہ

(۱) چار آنے یا آٹھ آنے لیکن یہ اس زمانے کی بات ہے جب آنے کی بھی بہت اہمیت تھی آج کل اگر کوئی مقرر کرے تو روپوں میں کرے بلکہ مال دار ہو تو سینکڑوں میں کرے اور اس کے لئے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک نماز قضا ہو تو ایک وقت کا فاقہ کرے دو ہوں تو دو وقت کا وغیرہ اس طرح نفس جلدی مان جائے گا اور نماز قضا کرنے سے باز آجائے گا۔ عمل شرط ہے۔

صدقہ کرے، اسی طرح حیض کے زمانہ میں غلطی سے جماع ہو جائے تو وہاں بھی صدقہ کا حکم ہے ابتدائے حیض میں ایک دینار اور آخر میں نصف دینار اور اس میں راز یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے نفس پر زیادہ مشقت پڑتی ہے وہ اس سے بچنے کے لئے تھوڑی مشقت کو برداشت کر لیتا ہے اور یہ کام اس سے چھوٹ جاتے ہیں تو دیکھئے حضور ﷺ نے ان مواقع کے لئے کوئی وظیفہ نہیں بتلایا بلکہ ایسا علاج بتلایا جس میں نفس کو مشقت ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلاح نفس کا طریقہ مجاہدہ ہی ہے وظیفوں سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔

ایک شبہ کا جواب

شاید طلبا کو یہاں یہ شبہ ہو کہ امام ابوحنیفہؒ تو غرامت مالیہ (۱) کو ناجائز فرماتے ہیں پھر تم یہ جرمانہ کیونکر بتلاتے ہو؟۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اپنے اوپر جرمانہ کرنا جائز ہے دوسروں پر جائز نہیں اور ہم یہی تو تعلیم کرتے ہیں کہ جب عمل میں کوتاہی ہو تم خود اپنے اوپر جرمانہ کیا کرو یہ تو نہیں کہتے کہ مریدوں سے کوتاہی ہو تو ان پر جرمانہ کر کے تم وصول کیا کرو اگر کوئی شیخ ایسا کرے تو بیشک ناجائز کا مرتکب ہوگا۔

زیورات اور کپڑوں کی محبت کا علاج

یہ تو وہ امراض تھے جو مردوں اور عورتوں میں مشترک تھے اب میں بعض ان امراض کا ذکر اور علاج بتلاتا ہوں جو مستورات کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ اس وقت مستورات کا جمع بھی موجود ہے سو مستورات میں ایک مرض یہ ہے کہ جب چند عورتیں جمع ہوں گی تو ہمیشہ دنیا کی باتیں کریں گی مرد کبھی جمع ہوتے ہیں تو کبھی خدا و رسول

(۱) عبادت میں کوتاہی پر مالی جرمانہ موع کرتے ہیں۔

کی باتیں بھی کر لیتے ہیں مگر عورتوں کے مجمع میں خدا و رسول کی باتیں کبھی سننے میں نہیں آتیں بلکہ ان کی تمام تر گفتگو زیور کپڑے روپے پیسے کے متعلق ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان میں زیور کی محبت اور لباس کی محبت زیادہ ہے اس کا علاج یہ ہے کہ زیور کا استعمال کم کر دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ اپنے گھر میں استعمال کم کرو کیونکہ اپنے گھر میں تو عموماً عورتیں زیور پہنتی ہی نہیں اور لباس بھی معمولی ہی پہنتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کے جاؤ تو زیور کم پہن کر جاؤ اور لباس بھی معمولی پہن کر جاؤ باقی سارے زیور کو اور قیمتی جوڑوں کو اپنے گھر میں پہنو کیونکہ شریعت نے عورتوں کو چاندی سونے کا زیور اور ریشم کا کپڑا صرف اسی لئے حلال کیا ہے تاکہ وہ شوہر کے سامنے اس سے زینت کر سکیں تو ان کے استعمال کا اصلی محل اپنا ہی گھر ہے مگر اب عورتوں نے اس تعلیم کے خلاف یہ وطیرہ^(۱) اختیار کیا ہے کہ شوہر کے سامنے تو معمولی حالت میں رہیں گی اور دوسرے گھر بن ٹھن کر جائیں گی تو یہ عمل خلاف شریعت بھی ہے اور اس سے زیور و لباس کی محبت بھی بڑھتی ہے اس لئے عورتوں کو شریعت کی اصل تعلیم پر عمل کرنا چاہئے کہ اپنے گھر میں سب زیور لباس پہنا کریں اور دوسرے گھر میں معمولی زیور و لباس پہنکر جایا کریں اس سے زیور و لباس کی محبت ان کے دل سے کم ہو جائے گی۔

عورتوں کی اصلاح کے لئے عظیم مجاہدہ

اور سب سے بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ شادی اور دوسری تقریبات کے موقع پر سادے کپڑے اور سادہ زیور پہن کر جایا کریں۔ اصلاح تو اسی طرح ہوگی بغیر اس کے کتابیں پڑھنے اور وعظ سننے سے کچھ نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ یہ تو بہت دشوار ہے دل پر

(۱) یہ طریقہ۔

آرا چل جائے گا کہ بھری برادری میں سب تو اچھے زیور عمدہ لباس سے آئیں اور ہم سادے لباس معمولی زیور میں ہوں تو صاحبو! دنیا کا بھی تو کوئی کام بدون (۱) محنت کے نہیں ہوتا اے اللہ دینداری ایسی سستی کیوں ہے کہ لوگ دیندار بدون محنت کے بننا چاہتے ہیں ۔

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست عاشقی شیوہ زندان بلاکش باشد (۲)

مجاہدے کی حقیقت

میرا یہ مطلب بھی نہیں کہ اتنی محنت کرو جس سے نفس تھک جائے بعضے اہل مجاہدہ ایسے بھی ہیں چنانچہ ہمارے ساتھ سفر حج میں جہاز میں ایک شخص تھے وہ کئی کئی دن تک کچھ نہ کھاتے اور جب کھانے بیٹھتے تو کئی دن کی خوراک ایک ہی وقت میں کھا جاتے، لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ کیا واہیات (۳) ہے کہ ایک وقت میں تم کئی دن کی خوراک کھا جاتے ہو کہا میں مجاہدہ کرتا ہوں کیونکہ مجاہدہ کی ایک قسم تو ترک اکل (۴) ہے اور ایک قسم اکثر اکل (۵) بھی ہے کہ اتنا کھائے کہ نفس پریشان ہو جائے کیونکہ مجاہدے سے مقصود نفس کو پریشان کرنا ہے اور وہ جس طرح ترک طعام (۶) سے پریشان ہوتا ہے بہت کھانے سے بھی پریشان ہوتا ہے سو یہ قول غلط ہے مجاہدے سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا خوگر (۱) بغیر محنت (۲) جو شخص ناز و نعمت میں پلا ہو وہ دوست یعنی محبوب تک نہیں پہنچ سکتا (یعنی عشق کے راستہ کے مصائب برداشت نہیں کر سکتا) بلکہ عاشقی میں کامیاب وہی ہوتے ہیں جو مصائب جھیلنا اور تکالیف کا تحمل کر سکتے ہیں (۳) یہ کیا بے ہودہ حرکت ہے (۴) کھانا چھوڑ دینا (۵) زیادہ کھانا (۶) کھانا چھوڑنے سے پریشان ہوتا ہے۔

بنانا (۱) اور راحت و تنعم (۲) کی عادت سے نکالنا ہے اور اس کے لئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے بہت زیادہ نفس کو پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل (۳) ہو جائے گا۔

مجاہدے میں اعتدال ضروری ہے

تو خوب سمجھ لو کہ محنت ہمیشہ مستحسن (۳) نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا مرتب ہو اسی وقت مستحسن ہے اس پر مجھے مولانا محمد یعقوب صاحب کا مقولہ یاد آیا کہ آپ نے ایک مدرس کو مدرسہ سے الگ کرنا چاہا اور مہتمم صاحب نے ان کی سفارش کی کہ یہ محنتی بہت ہیں تو مولانا نے فرمایا۔

”اگر محنت ہی مطلوب ہے تو مجھے چالیس روپے تنخواہ دیکر مدرس اول کیوں بنایا بلکہ ایک پسنبھاری (۵) کو چکی دیکر درسگاہ میں بٹھلا دو وہ مجھ سے زیادہ محنت کرے گی اور مزدوری دو آنہ لے گی“ پس مجاہدہ میں افراط بھی مذموم ہے بلکہ اعتدال کی رعایت لازم ہے اسی کو شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

نہ چنداں بخور کزدہانت برآید نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید (۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (۷) یعنی خدا کے خاص بندے وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرچ اس کے درمیان میں معتدل ہوتا ہے پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہئے۔

(۱) مشقت کا عادی بنانا (۲) آرام و سہولت پسندی کی عادت ختم کرنا (۳) بے کار ہو جائے گا (۴) اچھی نہیں (۵) چکی پیسنے والی عورت (۶) نہ اتنا زیادہ کھاؤ کہ التیایا ہونے لگیں اور نہ اتنا کم کھاؤ کہ جان ہی پر بن جائے (۷) ”اور جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے“ سورہ فرقان: ۶۷۔

اتباع مشائخ ضروری ہے

مگر اس اعتدال کو بھی آپ اپنی رائے سے تجویز نہ کیجئے کیونکہ بیمار کی رائے بیمار ہوتی ہے اس طریق میں اپنی رائے سے کامیابی نہیں ہوتی۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی (۱)

بلکہ کسی محقق سے درجہ اعتدال معلوم کیجئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں علمائے قوانین ظاہرہ و باطنہ (۲) پیدا کئے ہیں ان سے رجوع کرو اور ان سے طریق مجاہدہ معلوم کرو۔

طالبان علم و عمل کی اقسام

پھر جیسے طالبان علم میں دو فرقے ہیں ایک وہ جو محنت سے بچنا چاہتے ہیں دوسرے وہ جو محنت میں غلو (۳) کرتے ہیں اسی طرح طالبان علم میں بھی دو فرقے ہیں ایک وہ جو یوں چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا بھی نہ پڑے اور عالم ہو جائیں اس کی ترکیب انہوں نے یہ نکالی کہ مدرسہ میں داخل ہو کر کسی جماعت میں شریک ہو گئے اور کبھی کبھی درس میں بھی شریک ہو گئے پھر دس دن بارہ دن کو غائب ہو گئے نہ مطالعہ ہے نہ تکرار ہے نہ سبق کے وقت توجہ ہے جماعت نے کتاب ختم کر لی تو ان کی بھی ختم ہو گئی وہ درسیات سے فارغ ہو گئی تو یہ بھی فارغ کہلانے گے گو واقع میں بالکل ہی فارغ ہوں یعنی کورے (۴) تو یاد رکھو اس طرح علم نہیں آیا کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسوں ہی کے واسطے فرمایا ہے۔

(۱) راہ سلوک طے کرنے والوں کے لئے اپنی سوچ اور اپنی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ شیخ کے کہنے پر عمل کرے اس لئے کہ اس راہ میں خود پسندی اور خود رائی کفر کے مترادف ہے (۲) فقہاء و صوفیاء مراد ہیں (۳) حد سے بڑھ جاتے ہیں (۴) یعنی ایسے جاہل جیسے پڑھنے سے پہلے تھے۔

لَوْ كَانَ هَذَا الْعِلْمُ يُدْرَكُ بِالْمُنَى
فَاجْهَدُوا لَا تَكْسَلُ وَلَا تَكُ غَافِلًا
مَا كَانَ يَبْقَى فِي الْبَرِّيَّةِ جَاهِلٌ
فَنَدَامَتُهُ الْعُقُوبَى لِمَنْ يَتَكَا سَلٌ^(۱)

مجاہدے میں غلو کمال نہیں

اور بعضے محنت میں افراط کرتے ہیں کہ اتنی محنت کرتے ہیں کہ دماغ بھی خراب ہو جائے۔ افراط و تفریط^(۲) دونوں بُرے ہیں۔ شریعت کو ہر شے میں اعتدال مطلوب ہے۔

اہل مجاہدہ کا ایک افراط یہ بھی ہے کہ بعضے تقلیل غذا میں غلو کرتے ہیں^(۳) بعضے ہاتھ کو سٹکھاتے ہیں بعضے لباس نہیں پہنتے بلکہ آگ سلگا کر سردی گذارتے ہیں یہ وہ مجاہدے ہیں جو آج کل جوگیوں میں رائج ہیں اور غضب یہ ہے کہ بعضے مسلمان بھی ان مجاہدات کو کمال اور جوگیوں کو باکمال سمجھتے ہیں اور ان کے معتقد ہو جاتے ہیں۔

پسندیدہ مجاہدے

حالانکہ یہ کچھ کمال نہیں کیونکہ بدن کو مارنے سے کیا ہوتا ہے مطلوب تو وہ مشقت ہے جس سے نفس پر مشقت ہو یہ ضرور ہے کہ مشقتِ نفس میں بعض دفعہ مشقتِ جسم کو بھی دخل ہوتا ہے مگر اس میں اعتدال ضروری ہے مثلاً روزہ رکھ لیا جائے اعتکاف کر لیا جائے بس یہ مشقت کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ صاحبو! جس طرح طبیب دوا تجویز کر کے اس کی مقدار بھی خود ہی تجویز

(۱) اگر یہ علم دین تمناؤں سے حاصل ہو جاتا تو دنیا میں کوئی جاہل نہ ہوتا بس کوشش کرتے رہ سکتی نہ کرو اور غافل نہ ہو آخرت میں شرمندگی اسی کو ہوگی جو سستی کریگا^(۲) کی اور زیادتی دونوں بُرے ہیں^(۳) غذا کی کمی کرنے سے حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

کرتا ہے اسی طرح آپ کو مجاہدہ کی مقدار بھی شریعت ہی سے معلوم کرنا چاہیے جبکہ اصل مجاہدہ کو آپ نے شریعت ہی سے معلوم کیا ہے۔

اقسام مجاہدہ

اب یہاں ایک بات اور سمجھئے کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے مثلاً نوافل کی تکثیر سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے حرص طعام وغیرہ کم کرنا اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفتِ نفس ہے (۱) کہ جس وقت نفس معصیت پر داعی (۲) ہو اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا۔ اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی۔ لیکن اگر کسی کو بدون مجاہدہ جسمانیہ کے مخالفتِ نفس پر قدرت ہو جائے تو اس کو مجاہدہ جسمانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ شاذ و نادر (۳) ہیں اسی واسطے صوفیاء نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اسی کے چار ارکان ہیں (۱) ترک طعام (۲) ترک کلام (۳) ترک منام (۴) و ترک اختلاط مع الانام اور ترک سے مراد تقلیل ہے ترک کلی مراد نہیں (۴) جو شخص ان ارکان اربعہ کا عادی ہو جائیگا واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ (۵) ہو جائیگا کہ تقاضائے معصیت کو ضبط کر سکے گا مگر میرا مقصود اس وقت مجاہدہ جسمانیہ کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مجاہدہ نفسانیہ کا بیان مقصود ہے کہ گناہ کے

(۱) نفس جس بات کی خواہش کرے اس کی مخالفت کرنا (۲) جس وقت گناہ کا تقاضا کرے (۳) بہت کم پائے جاتے ہیں (۴) مجاہدے کے چار ارکان ہیں کھانا چھوڑنا، کلام چھوڑنا، سونا چھوڑنا لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑنا اور اس چھوڑنے سے مراد کی کرنا ہے یعنی ان کاموں میں کمی کر دے بالکل چھوڑ دینا یہ مراد نہیں ہے (۵) وہ اپنے نفس پر قابو پالے گا۔

وقت نفس کو روکو اور اس میں جو مشقت لاحق ہوتی ہے اس کو برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ بدون مشقت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا نہ دنیا کا نہ دین کا۔

مخالفتِ نفس کی ضرورت اور فائدہ

یہ ہے وہ مسئلہ جس کی ضرورت تھی اور لوگ اس سے غافل ہیں یعنی مخالفتِ نفس کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کرو۔ اور یہ بات اس وقت آپ کو حاصل ہوگی جبکہ نفس کی جائز خواہشوں کی بھی مخالفت کیا کرو۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کی درخواست کو رد کر دیا جائے دس دفعہ میں سے ایک دفعہ اس کی جائز خواہش پوری کر دی اور نو دفعہ ٹال دی جب مباحات (۱) میں تم مخالفتِ نفس کے عادی ہو گئے اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہو جاؤ اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو نہیں دبا سکتا تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ صوفیاء نے جو ارکانِ اربعہ مجاہدہ کے تجویز کئے ہیں اس میں انہوں نے ابتداء نہیں کیا (۲) اول تو احادیث میں غور کرنے سے ہر رکن کی اصل مل سکتی ہے دوسرے انہوں نے تسہیل مخالفتِ نفس عند ارادة المعصية کے لئے یہ نوع مجاہدہ کی بطور تدبیر (۳) کے تجویز کی ہے تدبیر میں نصوص کی بھی حاجت نہیں

(۱) جائز کاموں میں (۲) یہ انہوں نے اپنی جانب سے گھڑ کر بیان نہیں کئے بلکہ ہر مجاہدے کی اصل حدیث سے ثابت ہے (۳) گناہ کے ارادے کے وقت نفس کی مخالفت پر آسانی سے آدمی قادر ہو جائے اس تدبیر کے لئے صوفیاء نے یہ مجاہدات مقرر کئے ہیں اس لئے ان کے ثبوت کے لئے شرعی دلیل کی بھی ضرورت نہیں البتہ قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو۔

البتہ نصوص کے خلاف نہ ہونا چاہئے خلاصہ یہ کہ لوگوں نے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دین کے کاموں میں مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں غلط ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ دین سارا مجاہدہ ہی ہے کیونکہ دین نام ہے پابندی کا اور پابندی نفس کو گراں ہے۔ پس بدون مجاہدہ کے دین کامل نہیں ہو سکتا۔

عقیدے کا بیان

اب میں اس مسئلہ کو ان آیات پر منطبق کرنا چاہتا ہوں جو میں نے شروع میں تلاوت کی ہیں میں نے تین آیتیں تلاوت کی ہیں ایک ﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ یہ آیت راجع الی العقیدہ (۱) ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ”جو لوگ اللہ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں تو اللہ کا وہ وقت معین ضرور آنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ (ان کے اقوال کو) خوب سنتے اور (ان کے افعال و احوال کو) خوب جانتے ہیں“ مطلب یہ ہے کہ اوپر بعض مسلمانوں کو جو کفار کی ایذا سے گھبراتے تھے تنبیہ کی گئی ہے کہ ”کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائیگا کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی حالانکہ ہم ان سے پہلے مسلمانوں کو بھی آزمائش سے پرکھ چکے ہیں“ اس کے بعد جملہ معترضہ کے طور پر کفار کو یہ مضمون سنایا گیا ہے کہ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ وہ ہم سے بچ کر بھاگ جائیں گے سوان کی یہ تجویز بہت بیہودہ ہے اس جملہ معترضہ میں کفار کی تنبیہ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک گونہ تسلی بھی کر دی گئی کہ کفار کی یہ ایذائیں چند روزہ ہیں پھر ہم ان کو اچھی طرح پکڑنے والے ہیں اس کے بعد پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید

(۱) اس آیت میں عقیدہ کی درنگی ہے۔

رکھتے ہیں ان کو تو ایسے واقعات سے پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کا وہ وقت مقرر ضرور آنے والا ہے (اس وقت سارا غم غلط ہو جائیگا) اور اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے ہیں (تو وہ ان کی باتوں کو سنتے اور کاموں کو جانتے ہیں اس وقت ان کی طاعات قبولیہ اور طاعات فعلیہ^(۱) سب کا اجر دے کر ان کو خوش کرینگے)۔

اس آیت میں رجاء سے مراد اعتقاد جازم^(۲) ہے مگر اس میں ایک لطیفہ ہے جس کی وجہ سے اعتقاد کو بعنوان رجاء^(۳) بیان فرمایا وہ یہ کہ آیت مکی ہے جس کے مخاطب کفار بھی ہیں جو قیامت کے معتقد نہ تھے منکر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کو رجاء و امکان سے شروع فرمایا جس سے کفار کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ استحالہ^(۴) کی تو اس میں کوئی بات ہی نہیں اور جب ممکن ہے تو ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو لقاء اللہ کا امکان بھی معلوم ہو۔ ہم اس کو بتلاتے ہیں کہ اس کا وقوع بھی ضرور ہونے والا ہے پس ہماری خبر کے بعد اس کے وقوع میں شک نہ کرنا چاہیے ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ یہ صفات یہاں بہت ہی مناسب ہیں کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں ایک تصدیق بالقلب دوسرے اقرار باللسان^(۵) کیونکہ قدرت کے وقت اقرار باللسان بھی فرض ہے تو ایمان کے بیان میں ان صفات کا ذکر بہت ہی خوشنما ہے تا کہ بندوں کو اطمینان ہو جائے کہ ہمارا ایمان خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں رہ سکتا ان کو ضرور اس کا علم ہوتا ہے تصدیق قلبی کو بھی جانتے ہیں اور اقرار لسانی^(۶) کو بھی سنتے ہیں یہ آیت تو باب العقائد کے متعلق تھی۔

(۱) قولی اور فعلی عبادات (۲) پختہ یقین رکھنا ہے (۳) یقین کو امید کے عنوان سے بیان کرنے میں ایک لطیف نکتہ ہے (۴) ناممکن ہونے کی تو اس میں کوئی بات نہیں (۵) دل سے یقین اور زبان سے اقرار (۶) دل کے یقین اور زبان کے اقرار دونوں کو جانتے ہیں۔

مجاہدے کا بیان

اس کے بعد دوسری منزل مجاہدہ ہے جو تصحیح عقائد سے موثر ہے اور تکمیل اعمال سے مقدم (۱) ہے یعنی اعمال کی تحریک تو عقائد ہی سے ہو جاتی ہے مگر تکمیل اور رسوخ مجاہدہ سے (۲) ہوتا ہے اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ یعنی ”جو شخص کچھ محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی واسطے محنت کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمام اہل عالم سے بے نیاز ہے (اس کو کسی کی محنت و مجاہدہ کی ضرورت نہیں)۔“

عقیدے اور عمل کے درمیان مجاہدے کے ذکر کی وجہ

میرا مقصود اس جگہ یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول عقائد کا ذکر فرمایا پھر مجاہدے کا ذکر اعمال کے ذکر سے جو آئندہ تیسری آیت میں آتا ہے پہلے فرمایا اس کے کچھ تو معنی ہیں۔ سو ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں اور کوئی وجہ ہو میرے ذہن میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اس ترتیب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ عقائد مذکورہ آیت اولیٰ کے صدور اعمال مذکورہ آیت ثالثہ میں موثر ضرور ہیں مگر وہ تاثیر بلا واسطہ کمزور ہوتی ہے اور بواسطہ مجاہدہ کے قوی ہو جاتی ہے اس لئے مجاہدہ کے توسط بین العقائد والاعمال ظاہر کرنے کے لئے یہ ترتیب اختیار کی گئی ہے (۳) اب آیت کا مطلب سنئے مطلب یہ ہے کہ جو کوئی مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے واسطے مجاہدہ کرتا ہے یہ جملہ اس واسطے فرمایا کہ

(۱) جس کا درجہ عقیدے کے درست کرنے کے بعد عمل کرنے سے پہلے ہے (۲) اس میں کمال اور چنگی مجاہدے کے بعد آتی ہے (۳) جو عقائد پہلی آیت میں ذکر کئے گئے ہیں تیسری آیت میں ذکر کردہ اعمال کے کرنے میں وہ موثر ضرور ہیں لیکن اگر مجاہدہ کر لیا جائے تو وہ اعمال کرنا آسان ہوگا ورنہ مشکل اسی لئے مجاہدے کو عقیدے کے درمیان ذکر کیا۔

نصیحت کا اثر کامل ہو کیونکہ جب نصیحت میں ناصح کی کوئی غرض ہوتی ہے اثر کم ہوتا ہے اور دنیا میں بے غرض نصیحت کرنے والا بجز انبیاء علیہم السلام کے کوئی نہیں مگر انبیاء کی نصیحت تو خدا ہی کی نصیحت ہے وہ تو محض مبلغ و سفیر ہیں باقی سب کی کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہے۔

شاگردوں کا احسان

اسی لئے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جیسا شاگرد کو استاد کا ممنون ہونا چاہیئے ایسا ہی استاد کو بھی شاگردوں کا ممنون ہونا چاہیئے کیونکہ اگر شاگرد نہ ہوتے تو استاد کے علوم میں ترقی نہ ہوتی کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ بہت سے علوم استاد کے قلب پر درس کے وقت القا ہوتے ہیں اور یہ شاگرد کی کشش سے ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کے پستان چوستا ہے تو دودھ اتر آتا ہے اگر بچہ دودھ پینا چھوڑ دے تو چار دن میں اس کے پستان خشک ہو جائیں اسی طرح ترقی فی العلوم میں شاگردوں کا استاد پر احسان ہے۔ پس دنیا میں جس پر بھی کوئی احسان کرتا ہے محسن الیہ کی طرف سے بھی اس پر کوئی نہ کوئی احسان ضرور ہے بجز حضرت حق کے کہ ان کو کوئی کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا نہ ان کے افعال معلل بالا غرض (۱) ہیں وہ جس پر جو احسان کرتے ہیں بالکل بے غرض اور سراسر عنایت و کرم ہی ہے مولانا فرماتے ہیں ۔

من نکردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگان جودے کنم (۲)

اسی لئے یہاں ﴿فَانْمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ﴾ بڑھایا گیا تا کہ نصیحت کا اثر کامل ہو جائے کہ ہم کو تمہارے اعمال و مجاہدات سے ذرا بھی نفع نہیں جو کچھ نفع ہے

(۱) اللہ کے افعال کسی غرض پر مبنی نہیں ہیں (۲) میں نے مخلوق کو اپنے نفع کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ ان پر اپنا کرم و رحمت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

سراسر تمہارا ہی ہے پھر مجاہدہ کر کے اپنی ہی ذات پر احسان کرو کسی دوسرے پر احسان نہ کرو۔

جملہ ”اللہ بے نیاز ہے“ کا غلط استعمال

﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ ”بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات اہل عالم سے (۱) بے نیاز ہے“ یہ لفظ ہمارے محاورہ میں خدا تعالیٰ کے متعلق چند مقام پر استعمال کیا جاتا ہے بعض جگہ اس کا استعمال بُری طرح کیا جاتا ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے یعنی جب کوئی جوان موت ہو جاتی ہے جو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مر گیا ہو تو اس وقت برادری والے تعزیت کو جمع ہوتے ہیں اور میت کی موت کا ذکر ہوتا ہے تو ایک کہتا ہے ہائے ہائے کیسا جوان تھا جوانی چڑھ رہی تھی دوسرا کہتا ہے اجی ابھی اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا عمر نے وفانہ کی تیسرا کہتا ہے کہ کیسی بے وقوف موت ہوئی بچے کیسے ذرا ذرا سے چھوڑ گیا ان کی پرورش کی بڑی دقت ہوگی، چوتھے بوج بھگد (۲) سب کے جواب میں کہتے ہیں میاں اس کی ذات بڑی بے نیاز ہے وہ بے پرواہ ذات ہے اس موقع پر اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ کارخانہ خداوندی میں بڑا اندھیر ہے مصالح عباد (۳) پر مطلق نظر نہیں بس جو جی میں آیا کر دیا جو چاہا حکم دیدیا تو خدائی کیا ہوئی اودھ کی سلطنت یا انیا ونگر کا راج (۴) ہوا سو یہ کلمہ اس موقع پر تو بہت سخت ہے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ خدا کو

(۱) ساری دنیا والوں سے (۲) اپنے کو سب سے زیادہ عقل مند سمجھنے والے صاحب بولے (۳) بندوں کی مصلحتوں کی بالکل رعایت نہیں (۴) نا انصافی کی بہتی کی حکومت۔

کسی پر رحم نہیں حالانکہ قرآن خدا کی رحمت کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ غرض یہ معنی میں نے اس لئے بیان کر دیئے تاکہ کوئی آیت میں لفظ غنی کو اس معنی پر محمول نہ کرے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ﴾ کے صحیح معنی

بلکہ قرآن میں غنی کو دو معنی میں استعمال کیا گیا ہے ایک یہ کہ خدا کو تمہارے عمل صالح سے کوئی نفع نہیں یہاں یہی معنی ہیں دوسرے یہ کہ خدا کو تمہارے کفر و معاصی سے کچھ ضرر نہیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ﴾ کہ ”اگر تم کفر کرو تو خدا تعالیٰ کو اس سے ضرر نہ ہوگا“۔

ایمان اور عمل صالح مقصود اصلی ہیں

تیسری آیت اعمال کے متعلق ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ یہاں ایمان کا مکرر ذکر اس لئے فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ عمل بدون ایمان مقبول نہیں۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ ”جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادیں گے (یعنی جہنم سے ان کو نجات دینگے) اور ان کو ان کے اعمال کی جزاء (استحقاق سے) احسن دینگے“ میرا مقصود جو کچھ تھا وہ بجز اللہ حاصل ہو گیا کہ ایمان و عمل صالح مقصود اصلی ہیں اور مجاہدہ اسی کی تکمیل کے واسطے ہے کہ بدون مجاہدہ کے عمل صالح علی سبیل الکمال (۱) حاصل نہیں ہوتا۔

(۱) کامل درجہ میں حاصل نہیں ہوتا۔

ترک رسوم میں مجاہدے کا فائدہ

چنانچہ برادری کی رسمیں بھی لوگوں سے اسی واسطے نہیں چھوٹی ہیں کہ وہ مجاہدہ سے کام نہیں لیتے رسوم قدیمہ کے چھوڑنے میں نفس کو کلفت (۱) ضرور ہوتی ہے لیکن اگر نفس مجاہدہ کا عادی ہو تو اس سے گھبرائے گا نہیں نہ ذلت کی پرواہ کرے گا نہ کسی کے طعن کی پرواہ کرے گا اور حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ذلت اور طعن کی پرواہ کرنا محض اس وجہ سے ہے کہ دین کی وقعت نہیں یادیندار بننے کی خواہش نہیں۔ کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ جس چیز کی وقعت انسان کی نظر میں ہو یا اس سے محبت ہو تو اسکی تحصیل میں ذلت و طعن کی ہرگز پروا نہیں۔ چنانچہ بہت سے شرفاء کو آپ دیکھیں گے کہ وہ بازاری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں کیا اس سے برادری میں ان کی ذلت نہیں ہوتی یا لوگ طعن نہیں کرتے مگر چونکہ اس کو اس سے محبت ہے اس لئے کسی کی بات کی پرواہ نہیں کرتا اسی طرح بعض لوگ اپنی لڑکی کو ایسے لڑکے سے بیاہ دیتے ہیں جو ذات میں یا نسب میں ان سے کم ہے مگر مالدار بہت بڑا ہے اس موقع پر بھی برادری کی طرف سے بہت کچھ لعنت ملامت ہوتی ہے مگر نفع کے سامنے کسی بات کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

رسومات کے ترک میں بہانہ بازی

اے اللہ! دین ہی اس واسطے رہ گیا ہے کہ یہاں ہر مانع (۲) کی پرواہ کی جاتی ہے کوئی کہتا ہے کہ اس کے چھوڑنے میں ذلت ہے کوئی کہتا ہے کہ برادری طعن دے گی کہ خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی تھی اس لئے شریعت کی آڑ لے لی کوئی

(۱) پرانی رسوم کو چھوڑنے میں نفس کو پریشانی ضرور ہوتی ہے (۲) ہر رکاوٹ کی۔

کہے گا کہ ان کو دوسروں کے یہاں کھانا ہی آتا ہے کھانا نہیں آتا میں تسلیم کرتا ہوں کہ برادری سب کچھ کہے گی لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ سب باتوں میں برادری کے کہنے کی پرواہ نہیں کی جاتی بعض لوگ کسی غریب کی زمین یا گھر کا کوئی حصہ دبا لیتے ہیں برادری تو وہاں بھی بُرا بھلا کہتی ہے کوئی پجاری سے یا لونڈوں سے منہ کالا کرتا ہے وہاں بھی تو لوگ اس کو ذلیل کرتے اور گلی کو چوں میں برا بھلا کہتے پھرتے ہیں اگر تم برادری کی باتوں کو ایسا ہی ماننے والے ہو تو براہ کرم ان باتوں میں بھی برادری کی طعن و ملامت کی پرواہ کر لیا کرو۔ کچھ نہیں یہ تو محض بہانہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا خود اس میں کرنے کو جی چاہتا ہے اگر تمہارا جی نہ چاہتا تو تم کسی کی بھی پرواہ نہ کرتے جیسا دوسرے کاموں میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ پھر جو لوگ برادری کی ملامت کا بہانہ کرتے ہیں ان کے واسطے ایک اور جواب ہے وہ یہ کہ جیسے تمہاری دنیا کی ایک برادری ہے دین کی بھی تو ایک برادری ہے یعنی علماء و صلحاء ہم نے مانا کہ اس کے چھوڑنے میں دنیا کی برادری تم کو برا کہے گی مگر دینی برادری تم کو اچھا کہے گی اور شاباشی دے گی اور تمہارے حق میں دعا کرے گی اور اس سے بڑھ کر ایک اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو گئے رسول اللہ ﷺ راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کتنی بڑی چیز ہے افسوس خدا کے مقابلہ میں برادری کی رضامندی کی پرواہ کرنا کتنی سخت بات ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی جو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی حالت کے متعلق فرمائی تھی: ﴿قَالَ يَقُومُ أَرْهَطِيْ أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظَهْرِيَّا إِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (۱)

(۱) ”(شعیب علیہ السلام نے) فرمایا اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ باتو قیر ہے

اور اس کو تم نے پس پشت ڈال دیا یقیناً میرا رب تمہارے سب اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے“ سورہ ہود: ۹۲۔

اتحاد و اتفاق کی اصل

بعض لوگ آپس میں نا اتفاقی رکھتے ہیں اور مصالحت نہیں کرتے وہ بھی اسی واسطے کہ مشقت سے گھبراتے ہیں اگر وہ نفس کو مجاہدہ کا عادی کر لیتے تو کسی کو ایک دوسرے سے معافی چاہنے میں پس و پیش نہ ہوتا گو معافی چاہنا ابتداءً بہت مشکل ہے مگر جو شخص مجاہدہ سے نفس کو پامال کر چکتا ہے اس کے لئے ایک بھنگی سے بھی معافی چاہنا دشوار نہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل جو لوگ اتفاق و اتحاد کا لیکچر دیتے ہیں یہ کافی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ یہ لیکچرار بھی اور لیکچرار سننے والے بھی اول مجاہدہ سے نفس کیا اصلاح کریں بدون (۱) اس کے ہرگز اتفاق و اتحاد قائم نہیں ہو سکتا چنانچہ اگر اس لیکچرار ہی کی رائے سے کوئی دوسرا شخص کسی میں مخالفت ظاہر کر دے تو یہ اتحاد و اتفاق کا سب لیکچر بھول جائیں گے اور دوسرے شخص کی مخالفت و تذلیل و تحقیر کے درپے ہو جائیں گے پھر دونوں میں ایسی بُری طرح مخالفت چلتی ہے کہ اخبار کے کالم کے کالم پھر دونوں کی طرف سے گالیوں میں بھرے ہوئے شائع ہوتے ہیں جس سے دونوں کی تہذیب اور اتفاق و اتحاد کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ ”لوگ اتحاد و اتفاق کے لئے تقریریں تو کرتے ہیں مگر اس کی جڑ کو کوئی مضبوط نہیں کرتا اتحاد و اتفاق کی جڑ تو تواضع ہے متکبریں میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکتا اگر ہوگا تو اسی طرح کہ ایک شخص اپنے تکبر کو چھوڑ کر تواضع اختیار کرے“ سبحان اللہ! یہ مقولہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور یہ ایسے حجرہ نشین کا مقولہ ہے جس نے سیاسی میدان میں قدم بھی نہیں رکھا (۱) بغیر اس کے۔

مگر واللہ سب سیاست دان ان کے سامنے بچے ہیں کوئی شخص بھی اتحاد و اتفاق کے لئے اس سے بہتر نسخہ نہیں بتلا سکتا پس اتحاد و اتفاق کی جڑ تو وضع ہے اور تو وضع کی اصل مجاہدہ نفس ہے کیونکہ تو وضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے اپنے کو خاکسار نیازمند ذرہ بے مقدار^(۱) کہہ دیا بلکہ تو وضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو واقعی ذرہ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر بُرا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ واقعی تو تو ایسا ہی ہے پھر بُرا کیوں مانتا ہے اور اگر کسی کی بُرائی سے کچھ رنج و اثر بھی نہ ہو تو یہ تو وضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم^(۲) برابر ہو جائے مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً تو مساوات نہیں ہو سکتی ہاں کوئی مغلوب الحال ہو تو اور بات ہے۔

مدرسین اور طلباء کا ایک مرض

اسی طرح طلباء اور مدرسین میں ایک مرض ہے کہ اپنی غلطی کا کبھی اقرار نہیں کرتے اگر کوئی بات زبان سے غلط نکل جائے یا کتاب کے کسی مقام کی غلط تقریر ہو جائے اور کوئی طالب علم اس کی صحیح تقریر کرے تو مدرس اس کو ہرگز تسلیم نہ کرے گا جہاں تک ممکن ہوگا اپنی بات کو بنانے کی کوشش کرے گا اس کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ شخص نفس کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا مشقت سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ غلطی کا اقرار کر لینا نفس پر بہت گراں^(۳) ہے اور گرانی کی وجہ یہ ہے کہ نفس اس کو سبب ذلت سمجھتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بخدا اقرارِ خطا سے اور عزت بڑھ جاتی ہے۔

(۱) مٹی میں ملا ہوا ایک بے حقیقت ذرہ (۲) تعریف اور برائی کا کوئی اثر ہی دل پر نہ ہو (۳) طبیعت پر بہت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی تواضع

ہم نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو بار بار دیکھا ہے کہ جب درس کے وقت کتاب کے کسی مقام پر شبہ ہو جاتا تو کتاب ہاتھ میں لے کر اپنے ماتحت مدرس کے پاس چلے جاتے اور فرماتے کہ مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا ذرا آپ اس کی تقریر فرمادیں، بھلا مدرس اول ہو کر ماتحت مدرس سے ایسی درخواست کرنا کوئی معمولی بات تھی بہت بڑی بات تھی مگر کیا اس سے نعوذ باللہ مولانا کی عزت و وقعت کم ہوگئی؟ بخدا ہر گز نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ہوگئی چنانچہ آج یہ بات مولانا کے محاسن میں بیان ہو رہی ہے اور ان کے دیکھنے والے آج ان صورتوں کو ترستے ہیں کہ ہائے وہ لوگ کہاں گئے جن کو باوجود کمال کے اپنے نقص کے اقرار میں ذرا بھی پس و پیش نہ تھا اور اب ایسا زمانہ آگیا کہ ناقصوں کو بھی اپنے نقص کے اقرار سے عار ہے بلکہ وہ اپنے لئے کمال کے مدعی ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی یہ بھی عادت تھی کہ درس کے وقت اگر کسی مقام کی تقریر میں آپ سے لغزش ہو جاتی اور کوئی ادنیٰ طالب علم پھر عرض کر دیتا کہ حضرت اس مقام کا مطلب تو یہ معلوم ہوتا ہے تو مولانا فوراً اس کی بات کو ہاں کر کے صاف فرمادیتے کہ میں نے غلطی کی صحیح مطلب وہ ہے جو تم نے بیان کیا پھر ایک دفعہ پر بس نہ ہوتا تھا بلکہ بار بار اس جملہ کو دہراتے تھے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی میں نے غلط مطلب بیان کیا تھا۔ وہ طالب علم شرمندہ ہو جاتا کہ میں نے ناحق تقریر کی مگر مولانا اپنی غلطی کے اقرار سے نہ رکتے تھے اور واللہ اس سے مولانا کی عزت و محبت و عظمت پہلے سے زیادہ بڑھتی تھی۔

اپنی غلطی کا اقرار کرنے کی وجہ

پس نفس کا یہ خیال غلط ہے کہ اقرارِ خطا سے ذلت ہوتی ہے اور بالفرض اگر ذلت ہوتی بھی ہے تو کیا تم کوئی کام ذلت کا نہیں کرتے ہو اگر ایسا ہی ذلت سے بچنا ہے تو کسی شخص کے مکان سے طلباء کھانا بھی نہ لایا کریں اور کوئی مولوی صاحب چندہ کے واسطے بھی نہ جایا کریں کیا اس میں ذلت نہیں ہوتی بخدا جب مولوی چندہ کے لئے دورہ کرتے ہیں عوام اس کو بہت ذلت سے دیکھتے ہیں خصوصاً جس چندہ میں خطاب خاص ہو اس میں تو بہت ہی ذلت ہوتی ہے اور دوسرے پر جبر بھی ہوتا ہے اسی لئے مجھے ایسے چندہ کے جواز میں کلام ہے جو خطاب خاص سے وصول کیا جاتا ہے مگر طلباء و علماء اس کے جواز کی کوشش کرتے ہیں اور ذلت کی پرواہ نہیں کرتے پھر اقرارِ خطا ہی میں ذلت کی پرواہ کیوں ہے بس وجہ یہ ہے کہ چندہ وغیرہ میں گو ذلت ہے مگر روپیہ تو ملتا ہے اور اقرارِ خطا میں روپیہ نہیں ملتا سو آپ تو اہل علم ہیں آپ کی نظر تو نفع عاجل پر نہ ہونی چاہیئے بلکہ نفع آجل (۱) پر ہونی چاہیئے اور ظاہر ہے کہ اقرارِ خطا میں خدا کی رضا ضرور ہے حدیث میں ہے: ((مَنْ تَرَكَ الْجِدَالَ وَالْمَرَاءَ بْنَى لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ)) او کما قال - (۲)

(۱) نقد نفع پر نظر نہ ہو بلکہ انجام کار پر نظر ہونی چاہیئے یعنی آخرت میں ملنے والے نفع پر (۲) جس شخص نے جھگڑے اور دکھاوے کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

مجاہدے کی حقیقت و فائدہ

اور کہاں تک فروغ بیان کروں آپ غور کر کے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم جتنے گناہوں میں مبتلا ہیں سب کی اصل یہ ہے کہ ہم نفس کو مشقت سے بچانا چاہتے ہیں اور جتنے اوامر کو ہم ترک (۱) کر رہے ہیں اس کی اصل بھی یہی ہے پس معلوم ہوا کہ اصلاح اعمال و اصلاح نفس کا مدار عادی مجاہدہ پر ہے اسی مسئلہ کو بتلانے کے واسطے اس وقت یہ بیان اختیار کیا تھا جو الحمد للہ بقدر ضرورت بیان ہو گیا۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ گناہوں کے چھوڑنے کی ہم کو ہمت عطا فرمائیں کہ یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے پھر اس پر دو کامیاں مرتب ہوں گی ایک تو بڑی کامیابی خود گناہوں کا چھوٹ جانا ہے کیونکہ جرائم کا نہ ہونا یا کم ہونا بھی بڑی کامیابی ہے دوسرے رزق میں وسعت ہوگی کیونکہ اعمال صالحہ کو اور گناہوں کے چھوڑنے کو رزق کی وسعت میں بہت بڑا دخل ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَا هُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (۲) اسی طرح معاصی کو تنگی رزق و نزول بلا میں بڑا دخل ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ”جس قوم میں سود کی کثرت ہوگی اللہ تعالیٰ اس پر قحط مسلط کر دیں گے اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اس پر طاعون وغیرہ ایسے امراض ہونگے جو پہلے لوگوں نے دیکھے بھی نہ تھے“ پس مجاہدہ میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی کامیابی ہے بلکہ یوں کہئے کہ دینی اور

(۱) اور جتنے بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ہم توڑ رہے ہیں (۲) ”اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا“ سورہ اعراف: ۹۶۔

دنیوی اور تمدنی اور سیاسی تمام مصالح کی بنیاد اور جڑ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی مخالفت کا عادی بنے اور نفس کو مشقت کا عادی بنائے۔

اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق شامل حال ہو۔^(۱)

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و علی
آلہ واصحابہ و بارک وسلم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

(۱) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے استفادہ کرنے اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور اصلاح ظاہر و باطن نصیب فرمائے آمین۔

خلیل احمد تھانوی ۱۲ صفر ۱۴۳۰ھ

حضرت عمرؓ کا خوف ورجا

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر میدان قیامت میں یہ ندا ہو کہ صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو مجھے یہ امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ ایک شخص جہنم میں جائے گا تو مجھے یہ اندیشہ ہوگا کہ یہ شخص میں ہی ہوں غرض مسلمانوں کو ہر وقت رغبت بھی ہونی چاہئے اور رہبت (خوف) بھی۔

وعظ: اصلاح النفس

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ